# ماہ نامہ ماہِ نور دہلی

## مجلسِ ادارت

مدیرِ اعلیٰ
مفسرِ قرآن
مولانا سید ابو الحسن ازہری

مدیرِ اعزازی
نوشاد عالم چشتی (علیگ)

مدیر معاون
محمد ارشاد عالم نعمانی

سرکولیشن مینجر
محمد ضیاء الحق

کمپیوزنگ
حسران اعظمی

## سرپرست

حضرت مولانا مفتی سید شمس الضحیٰ مدظلہ
سجادہ نشین دہاوا شریف غازی پور یوپی

**حسب فرمائش**

**Choksi Brothers & Sisters**

چوکسی برادرس اینڈ سسٹرس

**نوٹ:** رسالے کے مستقل قارئین اس جانب ضرور توجہ دیں کہ اگر ان کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو ادارہ کو جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تاکہ ان کی ممبری بحال رہے۔

## مجلسِ مشاورت

سید محمد اشرف اندرابی (کشمیر)
ڈاکٹر سید محبّ الحق (اے ایم یو علی گڑھ)
پروفیسر سید شمیم الدین احمد منعمی (پٹنہ)
سید بلال کرمانی (کشمیر)
انجینئر سید فضل اللہ چشتی صابری (دہلی)
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی (لاہور)
ظہیر باقر بلوچ (پاکستان)
مفتی غلام حیدر قادری مصباحی (مظفر پور)
مولانا نثار احمد مصباحی (سیتامڑھی)
مفتی علاء الدین رضوی (ممبئی)

## مراسلت و ترسیل زر کا پتہ


ماہ نامہ ماہِ نور
419، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006

**MAAH-E-NOOR Monthly**
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

**E-mail:mahenoormonthly@gmail.com, Website : www.abulghaus.com**



Printer, Publisher & Owner
**SYED ABUL HASAN**

**Published at:**
2229, Star Offset Printing Press
Ahata Hajjan Bi, Rodgran, Delhi-6

**Published from:**
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006


| | | |
|---|---|---|
| قیمت فی شمارہ | : | 12روپے |
| قیمت سالانہ | : | 150روپے |
| بیرونِ ممالک | : | 20ڈالر |
| لائف ٹائم ممبرشپ | : | 5000روپے |
| // // بیرون ممالک | : | 300ڈالر |


نوٹ: ● رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا۔ ● مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں (ادارہ)

# فہرست مضامین



## خصوصی موضوع:

# اتحادِ امت: تفہیم و تجزیہ

# ۲۰۱۳ء سالِ تحفظ ختم نبوت

قارئین ’ماہِ نور‘ سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ راقم الحروف مدیر اعلیٰ حضرت مولانا سید ابوالحسن ازہری صاحب کے حکم وخواہش پر ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علیگ) صاحب کی معیت ورفاقت میں پچھلے ایک سال سے آپ کے اس محبوب وپسندیدہ رسالہ کی مجلس ادارت سے وابستہ ہے اور سید صاحب کی خصوصی دلچسپی سے اب تک یہ رسالہ پچھلے سات سالوں سے متواتر آپ کے ذوق مطالعہ کی تکمیل کا سامان بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر چشتی صاحب مشورے اور علمی وعملی اشتراک کے ذریعے رسالے کو آپ کے ذوق اور معیار کے مطابق مزید نکھارنے، سنوارنے اور عمدہ پیشکش کے لیے ادارہ ماہ نور پوری دلجمعی اور حرکت وعمل کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ آپ حضرات کے تبصرے اور حوصلہ افزا گفتگو ومکاتیب وٹیلی فونی گفتگو کے ذریعے رسالے کے تعلق سے آپ کی خصوصی وابستگی کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے۔

مذہبی صحافت کی اس مضبوط آواز کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور مفید ونفع بخش بنانے کے لیے ہماری کوششیں جاری ہیں۔ گزشتہ سال ’’ذکر اہلِ بیت‘‘ کے نام سے مستقل کالم شروع کیا گیا جسے قارئین نے بھرپور پسندیدگی سے نوازا۔ ابھی جب سال ۲۰۱۳ء کے پہلے شمارہ ماہ جنوری کی تیاری کے لیے مضامین کی تحصیل کا سلسلہ شروع ہوا ہی تھا کہ ہماری مجلس ادارت کا فیصلہ ہوا کہ اسی شمارے سے ایک نیا کالم ’’تحفظ ختم نبوت‘‘ کے عنوان سے شروع کیا جانا چاہیے۔ ابھی اس کی اہم ضرورت ہے اور پورے سال اس مستقل کالم کے تحت تحفظ ختم نبوت اور ردّ قادیانیت کے تعلق سے علمائے اسلام کی تحریروں اور مقالات کو شمارہ کی زینت بنایا جائے۔ اس لیے ادارہ ماہِ نور کی جانب سے ۲۰۱۳ء کو سالِ ’’تحفظ ختم نبوت‘‘ کے بطور منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

فتنۂ قادیانیت اسلامیانِ ہند کے لیے ایک اہم فتنہ ہے، جو مسلمانوں کو ارتداد کے چنگل میں گرفتار کرنے کے لیے تحریک کی شکل میں اُنیسویں صدی کے نصف اخیر میں وجود میں آیا۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے کفر وارتداد پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے یہ تنظیمی طور پر بہت ہی مضبوط ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی عقیدہ ’’ختم نبوت‘‘ کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں کے رحم وکرم اور مالی تعاون سے اس کا وجود ہوا اور گرداس پور، پنجاب، انڈیا کے چھوٹے سے قصبے سے اس کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس فتنے کا سیلاب استعماری قوتوں کی مدد سے کئی ممالک میں پہنچ گیا۔

فتنۂ قادیانیت کے تعاقب کی اوّلیت سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے بطل جلیل حضرت علامہ ومولانا غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے۔ سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے علماومشائخ نے اپنے خطابات، تصانیف اور مختلف جدوجہد کے ذریعے اس کے خلاف زبردست تحریک شروع کی اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ چنانچہ علمائے اہلِ سنت کی تعاقباتی سرگرمیوں کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمان اس عظیم فتنے کے دامِ تزویر میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے۔ پاکستان میں ۱۹۷۴ء میں علمائے اہل سنت اور دیگر مکاتب فکر کی سرگرم جدوجہد کے ذریعے حکومت پاکستان نے اس نومولود اور اسلام مخالف فرقہ کو پاکستانی اسمبلی میں ’’غیر مسلم اقلیت‘‘ قرار دیا۔

لیکن اِدھر پچھلے چند سالوں سے اس فتنے نے اپنا سر اُبھارنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اس فتنہ کے گمراہ کن عقائد کی نقاب کشائی اور ماضی میں اس فتنے کے خلاف سوادِ اعظم اہل سنت کے مجاہدانہ کارنامے پر مشتمل تحریرات ہر ماہ اس نئے کالم کے تحت شائع کی جائیں گی، تاکہ مسلمان اس فتنے سے محفوظ رہیں اور علما ومشائخ اس کے سدِّ باب کے لیے حکمت وبصیرت کے ساتھ میدانِ عمل میں آئیں۔ اس کالم کے آغاز کے سلسلے میں میں مدیر اعزازی ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علیگ) صاحب کی جانب سے سید منور علی شاہ صاحب امریکہ اور محمد ثاقب رضا قادری لاہور کا خصوصی طور پر ممنون ہوں کہ انھوں نے اس تعلق سے انھیں متوجہ کیا اور مواد کو فراہم کرنے میں بہت ہی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

امید ہے کہ قارئین ماہ نور اس پیش رفت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اس حوالے سے اپنی قیمتی تحریر سے ادارے کو سرفراز فرمائیں گے۔

**(محمد ارشاد عالم نعمانی)**

محمد ارشاد عالم نعمانی

# آخر مظلوم فلسطینیوں کا خون رنگ لایا

۱۹۴۸ء میں ۱۵رمئی کو امریکہ ویورپی قوتوں اوراقوامِ متحدہ کی منصوبہ بندی کے مطابق دیارِقدُس میں اسرائیل کا ناجائز وجود ہوا۔اس وقت سے درندہ صفت یہودیوں نے ۱۵ہزار فلسطینیوں کا قتل عام کیا جس کا ناپاک سلسلہ تاحال جاری ہے۔اس اسرائیلی دہشت گردی کے نتیجے میں ۲۷ لاکھ فلسطینیوں میں سے اب تک ۱۵لاکھ بےقصور ومظلوم فلسطینی قتل ہوچکے ہیں اورآٹھ لاکھ سے زائد فلسطینیوں کو بےگھر کرکے دوسرے مما لک میں پناہ لینے پرمجبور کردیا گیا،یاغزہ پٹی کے بربادعلاقوں میں رین بسیروں میں ڈال دیا گیاجب کہ ۴۷۷شہروں اوربستیوں پر قبضہ کرکے فوری طورسے ناقابل استعمال مقامات کوتباہ وبرباد کردیا گیا۔اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں مظلوم اوربےقصور مسلم فلسطینیوں کی جانیں لی گئیں جن میں بڑی تعدادنوجوان اوربچے بچیوں کی ہے،اوریہ سلسلہ پچاس سال یعنی نصف صدی سے بھی زیادہ دنوں سے قائم ہے۔ اس کے باوجود مسلم دُنیاخاموش ہےاور فلسطینی اپنےحقوق کی جنگ برابرجاری رکھے ہوئے ہیں۔کسی میں حرکت نہیں ہوتی،سب خاموش تماشائی بنے امریکہ ویورپ کی ہاں میں ہاں ملانے ہی میں بھلائی سمجھ بیٹھے ہیں۔

فلسطین کا سب سے حساس اورسب سے زیادہ مرکز توجہ کا علاقہ غزہ سٹی ہے جسے غزہ پٹی بھی کہتے ہیں۔۱۹۴۸ء میں یہ علاقہ اقوامِ متحدہ کے پارٹیشن پلان کے تحت عرب ریاست کا حصہ تسلیم کیا گیا،پھراسی سال عرب اسرائیل جنگ کے بعدغزہ سٹی کا پورا خطہ مصر کے ماتحت آگیا،لیکن ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ عرب اسرائیل جنگ کے بعداس علاقے پراسرائیل نے قبضہ کرلیا۔پھر۱۹۹۳ء میں فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن قائم ہوا جس کی کوششوں کی بدولت اس کےاوراسرائیل کے درمیان''اوسلومعاہدہ''ہوا تو غزہ اس فلسطین آرگنائزیشن کے زیرانتظام کردیا گیا جس کے نتیجے میں اسرائیل کو یہ علاقہ اپنی فوجوں سے خالی کرنا پڑا، جہاں ۱۹۹۶ء میں یاسرعرفات کی قیادت میں فلسطینی لبریشن نے اس کے مرکز میں اپنے ریاستی ہیڈکوارٹر کا باضابطہ افتتاح کیا۔

''اوسلومعاہدہ'' کے تحت یہ طے ہوا تھا کہ فلسطین سے دوسرے مما لک کی طرف س جو قانونی اور مالی حقوق ومراعات ملتے ہیں،وہ بدستور ملتے رہیں گےاورتجارت ومعیشت کوآزادرکھا جائے گا،لیکن جنوری ۲۰۰۶ء میں فلسطینی قانون سازاسمبلی کے الیکشن میں فلسطین کی سرگرم سیاسی جماعت الفتح پردوسری سیاسی جماعت حماس کوسبقت وفوقیت حاصل ہوئی جس کی فلسطین میں نئی حکومت قائم ہوئی،مگر الفتح کے مقابلے میں حماس کا رویہ یورپی مما لک سمیت اسرائیل کےحوالے سے چوں کہ نہایت سخت رہاہے،اس لیےاسرائیل کے ساتھ دوسرے مغربی مما لک نے اس نئی حکومت کوتسلیم کرنے سے انکارکردیا،ساتھ ہی اکثرمما لک سے فلسطین کو ملنے والی امدادومراعات کوبند کرانے میں کامیاب ہوگئےاورحماس والفتح کوخانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیاجس کانتیجہ یہ ہوا کہ محمودعباس کی قیادت والی جماعت الفتح غزہ کےمغربی کنارہ اورحماس غزہ پٹی میں محصور ہوکررہ گئی۔اب اس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسرائیل نے اپنے سربراہوں کےتعاون اورمشورے سے رفتہ رفتہ اس علاقے پرقبضہ کرنا شروع کیا،اب حال یہ ہے کہ اسرائیل جہاں چاہتا ہے،جب چاہتا ہےاپنی ظالمانہ چودھراہٹ کا بےدریغ مظاہرہ کرتا ہے۔الفتح اورحماس میں وہ دَم نہیں کہ اس کا مقابلہ کرسکیں۔

غزہ سٹی کا رقبہ ۴۵مربع کلومیٹرسے زائد ہے جس کی آبادی ۲۰۰۷ء کی مردم شماری کے مطابق ۴۹لاکھ سے زائد ہےاورعرب کے گھنی آبادی والے علاقوں میں سرفہرست ہے۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ۲۰۰۶ء سے ہی اسرائیل نے اس کی ایسی گھیرابندی اورپھرایسی ناکہ بندی کررکھی ہے کہ یہاں کی معیشت بری طرح خراب ہوچکی ہے،جس کی وجہ سے وہاں کے باشندے ترقی کرہی نہیں سکتے۔آبادی کی توسیع تو بہت دورکی

بات ہے، انھیں تو ہمہ وقت اپنی اور اپنی آل واولاد کی جان و مال کی حفاظت کی فکر لگی رہتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہاں کسی آبادی کا اکثر حصہ بے روزگار ہے، ظاہر ہے جب آمد، درآمد کا سلسلہ بند ہو جائے گا تو لامحالہ آمدنی کے ذرائع محدود ہوتے چلے جائیں گے، یہی صورتِ حال آج غزہ پٹی کے مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی ہے۔

غزہ سٹی کے چار اہم حصے ہیں۔سب کی ناکہ بندی اسرائیل نے ۲۰۰۶ء سے کر رکھی ہے، اُن میں شمالی غزہ کا علاقہ اسرائیلی ناکہ بندی کے سبب تعمیراتی اسباب، غذائی سامان اور خاص طور سے ادویات کی قلت سے بری طرح دوچار ہے، جہاں فلسطینی اپنے ہی علاقے میں ایک جگہ پناہ گزین کیمپ میں رہتے ہیں جسے اقوامِ متحدہ اور چند دوسرے اداروں نے ''دنیا کی سب سے بڑی کھلی جیل'' قرار دیا ہے۔حیرت ہے کہ دیکھ کر جیل قرار دینے کا شوق سب کو ہے لیکن اس جیل سے رہائی کا طریقہ کوئی نکالنے کے لیے تیار نہیں۔

دوسرا علاقہ غزہ سٹی کا دوسرا بڑا شہر خان یونس ہے۔فلسطینی علاقوں میں سب سے زیادہ بے روزگار لوگ یہیں پائے جاتے ہیں۔یہاں بھی خود اسی شہر کے باشندوں کے لیے ایک رفاہی کیمپ لگا ہوا ہے جس میں ۷۰ ہزار سے زائد فلسطینی پناہ گزیں ہیں اور ترکی و مصر کی امداد پر اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

مصری سرحد کے پاس واقع غزہ سٹی کا تیسرا بڑا شہر ''رفاہ'' آبادی ہے، جہاں یاسر عرفات ایئرپورٹ واقع ہے جسے ۲۰۰۱ء میں اسرائیل بمباری کر کے تباہ کر چکا ہے، اب اس کی دوبارہ مرمت ہو رہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جن کے پاس اچھی خاصی کھیتی ہے یا گنتی کے چند لوگ جو اس ایئرپورٹ کی تعمیر میں مزدوری کر رہے ہیں، وہی قدرے خوشحال ہیں، اس طرح کہ وہ کسی بیرونی امداد کے محتاج نہیں، ورنہ بقیہ افراد کی حالت نہایت خستہ ہے۔

غزہ پٹی کے وسط میں واقع غزہ کا چوتھا بڑا شہر دیرالبلاح ہے جو کھجور کی کاشت کے لیے مشہور ہے، جہاں حماس کا غلبہ مانا جاتا ہے، اس لیے اس شہر کے باشندے اسرائیلی حملوں اور بمباری کے زیادہ شکار ہوتے ہیں اور یہیں زیادہ فلسطینیوں کی جانیں تلف ہوتی ہیں۔یہاں بھی ایک پناہ گزیں کیمپ واقع ہے، جہاں ہر وقت ۲۰ ہزار سے زیادہ افراد مقیم رہتے ہیں، جن کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔۲۰۰۷ء سے ۲۰۰۹ء کے درمیان یہاں ۷۰۰ سے زائد بڑے اور پختہ مکانات اسرائیلی بمباری کا شکار ہو کر تباہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے اکثر فلسطینی بے گھر ہو چکے ہیں۔

فلسطین کے تمام علاقوں میں سب سے زیادہ کھجور کی کاشت ہوتی ہے، لیکن جن علاقوں میں حماس کی گرفت مضبوط ہے، اُن علاقوں کی قابل کاشت زمین بھی خراب صورتِ حال کی شکار ہے، جہاں اب کاشت کاری کارے دارد ہے۔اس کے بعد صنعت کا نمبر آتا ہے تو کئی ہیومن رائٹس سروے اداروں کے مطابق فلسطین کی اب تک ۹۵ سے زائد صنعتی سرگرمیاں بھی ٹھپ ہو چکی ہیں، جس کی وجہ سے بے روزگاری کی شرح آج ۵۰ فیصد سے اوپر جا چکی ہے۔پرائیویٹ سیکٹر جو ۵۳ فیصد روزگار کا خود ہی متحمل تھا، وہ بھی بربادی کے دہانے پر کھڑا ہے۔۲۰۰۵ء تک غزہ سٹی کے چار شہروں میں ۳۹۰۰ صنعتی مراکز تھے، فیکٹریاں تھیں جن میں ۶۰ ۵ فلسطینی ملازم کام کرتے تھے لیکن اب اُن کی تعداد صرف ۱۷۰۰ ہے۔

زراعت اور کاشت کے اسباب و ذرائع پر جب سے اسرائیل نے کنٹرول کرنا شروع کیا ہے، اس وقت سے چالیس ہزار بڑے کاشت کار بھی براہِ راست متاثر ہو گئے ہیں۔یہ ہے فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کا ماضی جس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فلسطین کی عوام کس قدر مظلومیت کی شکار ہے۔مظلوم فلسطینیوں کے حالات اور مسلم امۃ کی بے توجہی پر راقم الحروف کی یہ تحریر تکمیل کے قریب تھی کہ یکم دسمبر کو اخبارات کے ذریعے یہ مسرت بخش خبر ملی کہ امریکہ و اسرائیل کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں مظلوم فلسطینیوں کا خون رنگ لایا اور فلسطین کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک قرارداد کے ذریعے اقوامِ متحدہ کی غیر رکن مشاہد ریاست کا درجہ حاصل ہو گیا۔خبر کے مطابق امید کی

جارہی ہے کہ اب فلسطین کو اقوامِ متحدہ کے اداروں میں شمولیت ہوجائے گی۔ اس محدود سی کامیابی سے فلسطینیوں کے اندر امید کی ایک نئی کرن بیدار ہوئی ہے۔ اس کامیابی پر جہاں فلسطینیوں کے اندر جشن اور مسرت کا ماحول ہے، وہیں کچھ ممالک کے پیٹ میں مروڑ بھی پیدا ہوگیا ہے۔ روزنامہ 'انقلاب' میں اقوامِ متحدہ میں فلسطین کی کامیابی کی خبر کی تفصیل کچھ اس طرح شائع ہوئی ہے:

''نیویارک (ایجنسی): اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ۱۹۳ ممالک میں سے ۱۳۸ ممالک نے فلسطین کے حق میں اور ۹ نے مخالفت میں ووٹ دیا، جبکہ ۴۱ ممالک نے ووٹ میں حصہ نہیں لیا۔ امریکہ نے قرارداد کی بھرپور مخالفت کی، جبکہ قرارداد کی منظوری کے بعد فلسطین میں شہری سڑکوں پر نکل آئے اور کامیابی کا جشن منایا، رملہ میں آتش بازی کی گئی، لوگ سڑکوں پر فلسطینی پرچم لہراتے ہوئے رقص کرتے رہے۔ خیال رہے کہ جمعرات کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو غیر رکن مشاہد ریاست کا درجہ دے دیا تھا جس کی امریکہ اور اسرائیل نے مخالفت کی ہے۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہونے والی ووٹنگ اور اس کے بعد فلسطینی انتظامیہ کے صدر محمود عباس کا خطاب نیویارک سے براہِ راست نشر کیا گیا، جسے فلسطینی شہروں رملہ، بیت اللحم، غزہ اور دوسرے کئی شہروں میں بڑی اسکرین پر فلسطینیوں نے دیکھا۔ ووٹنگ کے نتائج کے اعلان کے ساتھ ہی بڑی تعداد میں فلسطینی اپنا قومی پرچم اُٹھائے سڑکوں پر نکل آئے۔ غزہ اور رملہ میں فلسطینیوں نے گاڑیوں کے ہارن بجا کر خوشی کا اظہار کیا اور کئی جگہوں پر نوجوان گاڑیوں کی چھتوں اور سڑکوں پر محوِ رقص نظر آئے۔ اقوامِ متحدہ میں قرارداد منظور ہونے کے بعد غزہ اور مغربی کنارے پر جشن کا ماحول تھا۔ لوگوں نے سڑکوں پر نکل کر نغمے گائے، آتش بازی کی اور گاڑیوں کے ہارن بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے اسرائیل کے سفیر نے ووٹنگ سے پہلے خطاب کرتے ہوئے کہا ''اس تجویز سے امن کو کوئی فروغ نہیں ملے گا بلکہ اس سے امن کو دھچکا ہی لگے گا۔ اسرائیلی لوگوں کا اسرائیل سے چار ہزار سال پرانا تعلق اقوامِ متحدہ کے کسی فیصلے سے ٹوٹنے والا نہیں ہے۔' امریکہ کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں کو اسرائیل کے ساتھ براہِ راست بات چیت کرنی چاہیے اور اس طرح اقوامِ متحدہ میں یکطرفہ اقدامات کے ذریعے ریاست کا درجہ حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ برطانیہ اور جرمنی نے اس تجویز کے لیے ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا، اور دونوں ملک فلسطینیوں کی اس تجویز کے لائے جانے سے خوش نہیں تھے، لیکن اقوامِ متحدہ میں اس تجویز کو ہندستان سمیت فرانس، روس، چین اور جنوبی افریقہ جیسے کئی ممالک کی حمایت حاصل تھی۔ گزشتہ سال فلسطینی اتھارٹی نے مکمل رکنیت حاصل کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ میں درخواست دی تھی لیکن سلامتی کونسل میں امریکہ نے اس تجویز کو ویٹو کردیا تھا اور فلسطینیوں کی کوشش ناکام ہوگئی۔ اس سے پہلے اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے رکن ممالک سے کہا کہ وہ فلسطینی انتظامیہ کی کامیابیوں کو تسلیم کریں۔ غیر رکن آبزرور کی حیثیت حاصل کرنے کے بعد اب فلسطین کو اقوامِ متحدہ کے اداروں میں شمولیت حاصل ہوجائے گی، جن میں بین الاقوامی عدالتِ انصاف بھی شامل ہے۔ فلسطینی چاہتے ہیں کہ مغربی کنارے، غزہ اور مشرقی بیت المقدس کے علاقوں کو فلسطینی ریاست کے طور پر تسلیم کیا جائے، جن علاقوں پر اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کرلیا تھا۔ اس رائے شماری کے مخالفین کا موقف رہا ہے کہ فلسطینی ریاست کا فیصلہ صرف مذاکرات کے ذریعے ہونا چاہیے۔ اس سے قبل اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نیتن یاہو نے کہا تھا کہ ''اقوامِ متحدہ میں ہونے والا فیصلہ، زمینی حقائق نہیں بدلے گا۔'' ان کا مزید کہنا تھا کہ ''اس سے فلسطینی ریاست کی انتظامیہ ترقی نہیں کرے گی بلکہ یہ معاملات کو مزید تاخیر کا شکار کرے گا۔'' جبکہ فلسطینی حکام کا موقف تھا کہ اس اقدام کا مقصد امن بات چیت کو ختم کرنا نہیں بلکہ فلسطینی اختیار میں اضافہ کرنا ہے اور اس خطے کی وضاحت کرنا ہے جسے وہ فلسطینی ریاست کے طور پر چاہتے ہیں۔ اس میں وہ علاقہ بھی شامل ہے جو اسرائیلی آبادکاری کے باعث متاثر ہوا ہے۔'' (روزنامہ 'انقلاب' دہلی، یکم دسمبر ۲۰۱۲ء)

اب ضروری ہے کہ مسلم ممالک مظلوم فلسطینیوں کی حمایت میں اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں جب تک مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوجاتی۔

ای میل:irshadnomani92@gmail.com،موبائل:09555584637

# منظومات

## حمد باری تعالیٰ

تو مرا خالق و مالک ہے میں بندہ تیرا
ذرّے ذرّے سے عیاں جلوۂ زیبا تیرا

اپنے محبوب کی اُمت میں بنایا مجھ کو
شکر کس طرح کروں مالک و مولا تیرا

تیری ہر شان کا مظہر ہیں ترے پیارے حبیب
اُن کی صورت میں نظر آتا ہے جلوا تیرا

جو غلام شہِ دیں ہے وہی میرا ہے مطیع
میں نے قرآن میں فرمان یہ دیکھا تیرا

عمر غفلت میں گزاری تجھے راضی نہ کیا
ہوکے شرمندہ اب آیا ہے یہ بندہ تیرا

بس معاصی کے سوا کوئی عمل پاس نہیں
ہاں اگر ہے مرے مولا تو بھروسا تیرا

میں گنہگار سہی ، مجرم و بدکار سہی
چاہے کیسا بھی سہی ہوں تو خدایا تیرا

ان کا دامن نہ کبھی ہاتھ سے چھوٹے اکرؔم
جن کے جلوؤں سے منوّر ہوا سینہ تیرا

**مولانا نذیرالاکرم نعیمی مراد آبادی**

## نعت پاک

اپنی پہچان ہے سید خوش لقب سے
اُن کا لطف و کرم ہے زمانے پہ جب سے

ہر صحیفے نے بعثت کی ان کی خبر دی
منتظر نسلِ انساں تھی جانے کب سے

آپ آئے تو انسانیت جاگ اُٹھی
تھی جدا گفتگو ، تھا جدا لہجہ سب سے

آپ اُمّی تھے دنیا کی نظروں میں لیکن
سب کی دانائیاں ہیں سب ان کے سبب سے

نام جب ان کا آیا تو دل جاگ اٹھا
ان سے رشتہ نہ جانے ہمارا ہے کب سے

میرے حرف ونوا میں ہر اِک لفظ خوشدؔل
جب کہیں نعت نکلے کمالِ ادب سے

**فرحت حسین خوشدؔل**

مفسرِ قرآن علامہ ریاض حسین شاہ ☆

# سورۂ یٰسٓ کے چند آیتوں کی عصری تفہیم

پندرہ صدیاں گزر گئیں یعنی ڈیڑھ ہزار برس قبل جب لوحِ محفوظ سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترا۔ خدا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا آخری پیغام۔ عرب وعجم اس عظیم المرتبت اور لاثانی کلام کے سامنے کل بھی سرنگوں تھے اور آج بھی ہیں اور تب تک رہیں گے جب اس کائنات کے اختتام کے لیے اللہ کا آخری نقارہ بجے گا، جب اسرافیل کو حیات وکائنات کے مکمل خاتمے کا پیغام ملے گا۔ خدا کی اس بستی میں گزشتہ پندرہ سو برس سے اللہ رب العزت کے بے مثل کلام کو سمجھنے اور سمجھانے میں علمائے کرام اور فلسفیوں نے اپنی جانیں کھپا دیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں صفحات لکھے گئے، اس راز تک پہنچنے کے لیے جو اللہ نے اپنے آخری پیغام میں نسل انسانی کے لیے مخفی کر رکھا ہے۔ سمندروں ایسی سیاہیاں اس کوشش میں صرف کر دی گئیں لیکن پھر بھی ہر طرف سے یہی صدا آئی، حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

رازی وسیوطی ایسا تدبر قرآن، امام جعفر صادق سے نسبی وعلمی تعلق اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ناطق سے سچا عشق رکھنے والے جماعت اہلِ سنت کے گلِ سرسبّد حضرت علامہ سیّد ریاض حسین شاہ کے علم وفضل سے کسے انکار ہوگا۔ وہ اللہ کی توفیق سے شرح قرآن ایک نئے انداز اور ایک نئی ادائے دلربائی سے 'تبصرہ' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ اس بار شاہ جی نے اپنے منفرد اور دل کی گہرائیوں میں اُتر جانے والے اسلوب سے قرآن مبین کی سورۃ 'یٰسین' کے مطالب اور معانی اہلِ دل کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ آیئے ریاض الجنہ کے شیدائی اور سفیرِ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم مفکر اسلام سیّد ریاض حسین شاہ کی یہ جمال آراء تفسیر پڑھتے ہیں اور دل ونظر کی پیاسی وادیوں کو پھر سے شاداب کرنے کا اِک ساماں کرتے ہیں۔ (محمد نواز کھرل)

**اِنَّ اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء.**

بے شک اللہ نے حرام کر دیا ہے زمین پر کہ وہ نبیوں کے جسم کھائے۔

**مَایَاتِیۡہِمۡ مِنۡ رَّسُوۡلِ اِلَّا کَانُوا بِہٖ یَسۡتَہۡزِؤُن.**

(نہیں آئے ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ ان کا مذاق ہی اُڑاتے رہے۔)

قرآن مجید کا یہ جملہ مصطفوی تحریک کے جاں باز کارکنوں کے لیے حوصلوں کا صد سامان رکھتا ہے۔ شاید ذہنی اعتبار سے کسی کارکن پر یہ وقت آ سکتا ہے کہ وہ سوچنے لگے کہ میں جس عظیم رسول کے نام کی مالا جپتا ہوں ان کی عظمت کا عالم تو یہ ہے کہ جبرئیل بھی اپنے کافوری لبوں سے ان کے قدمہائے رحمت کے بوسے لیتے ہیں، لیکن سنگ دل انسان ہیں کہ تکذیب کیے جا رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کتاب حکمت نے نیک دل مصطفائی سپاہی کو گویا سمجھایا، تسلی رکھ اور اپنے ذہن کو شکوک اور وسواس سے محفوظ بنا۔ کارگہ حیات کا یہ دائمی اصول ہے کہ سچائی وہ نہیں جسے جھوٹ محبت سے گلے لگا لے اور نیکی وہ نہیں ہوتی جس کا تعارفِ خیر، بدی اپنے جامے میں رہ کر کرائے بلکہ صدق اور راستی، نیکی اور بھلائی، وہ نورِ الٰہی ہے جسے جہالت کبھی برداشت نہیں کر سکتی اور وہ ہر زمانے میں پھر پھر کر اس سیلان نور کو بند کرنے کی سعی کرتی ہے۔ رسول چونکہ پیکرِ نور ہوتے ہیں، مظہرِ رحمت ہوتے ہیں، سراپائے خیر ہوتے ہیں، سراجِ محبت ہوتے ہیں، اس لیے جہالت انھیں کبھی برداشت نہیں کر سکتی اور وہ ہر زمانے میں پہلے موقع پر رسولوں اور ان کی دعوات پر چوٹ لگانے کی کوشش کرتی ہے۔

غور کیجیے! آیۂ کریمہ میں 'رسول' پر تنوین تعظیم کی بھی ہو سکتی اور تنکیر کی بھی۔ دوسری صورت میں ایک قاعدہ یاد رہے کہ نکرہ جب سیاق نفی میں ہو اور اس سے پہلے 'من' بڑھا دیا جائے تو وہ عموم نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ اس اعتبار سے '**مایاتیھم**' کے بعد 'رسول' سے پہلے 'من' کا استعمال مفہوم میں عموم پیدا کرے گا اور آیۂ کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ "کوئی رسول ایسا ہے ہی نہیں جو مبعوث ہوا ہو اور پھر اس کے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق نہ کیا گیا ہو، جہالت نے اس پر حملے کرنے کی کوشش نہ کی ہو، مصائب اور آزمائشوں نے اس کا محاصرہ نہ کیا ہو۔ جس طرح اس میں شک نہیں کہ شہد میٹھا ہوتا ہے اور زہر مہلک ہوتا ہے بعینہٖ اس میں بھی شک نہیں کہ جہالت کو ختم کرو تو اس کی چوٹیں سہنی پڑتی ہیں، اس کی پھبتیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اس کے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔" اب اگر آپ مصطفوی تحریک کے کارکن ہیں تو متذکرہ آیۂ کریمہ کو پڑھیے، غور سے پڑھیے۔ بار بار پڑھیے بلکہ تلاوت کیجیے:

**مَایَاتِیۡہِمۡ مِنۡ رَّسُوۡلِ اِلَّا کَانُوا بِہٖ یَسۡتَہۡزِؤُن.**

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ دین صرف حریر و پرنیاں کی سیج ہے۔ اگر آپ کا عقیدہ ہے کہ دین صرف گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھ جانے کا نام ہے۔ اگر آپ سوچتے یہ ہیں کہ دین صرف مزے لینے اور مزے دینے کا نام ہے۔ اگر آپ نے

کہیں سے یہ سن لیا ہے کہ جو دین میں آئے دنیا و آخرت میں بس اسے حوریں ہی گھیرے رکھتی ہیں۔ تو یہ غلط فہمی ہے بلکہ بدعقیدگی ہے۔ صاحب! اندھیر نگر میں نور کے انقلاب پیدا کرنے کے لیے رسول بھی ہوں تو انھیں چوٹیں کھانی پڑتی ہیں، غم سہنے ہوتے ہیں اور لوگوں کا غصہ و غضب برداشت کرنا پڑتا ہے، تب جا کر جنتیں ملتی ہیں جن میں نہریں رواں دواں ہوتی ہیں، شفاف چشمے ہوتے ہیں اور لطیف آبشاریں دعوت نظارہ دیتی ہیں۔ جہاں جب جو چاہو سو وہ ملتا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ.

کیا وہ جان نہ سکے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کیں۔

اَلَمْ یَرَوْا کیا وہ دیکھ نہ سکے؟ کیا وہ جان نہ سکے؟ کیا یہ ان کے علم میں آ نہ سکا؟ نہایت لطیف، روح پرور، فکر رسا اور بلیغ فقرہ ہے۔ دیکھنے کے لیے آنکھ چاہیے، جاننے کے لیے عقل درکار ہے اور علم کے لیے سوزِ دل کی ضرورت ہے۔ گویا اللہ رب العزت نے یہاں قاری قرآن کی توجہ تین چیزوں کی طرف مبذول کرائی۔ ایک تو یہ کہ منکرین رسالت اس قدر شقاوت کا شکار ہو چکے ہیں کہ ان میں غور و فکر اور تدبر کا مادہ ختم ہو چکا ہے ان کے سر ہیں لیکن پتھر کی طرح محض حجم رکھتے ہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن مٹّی کا ڈھیلا بن چکی ہیں، ان کے دل ہیں لیکن صرف انتقالِ خون کے عضو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دیکھنا اور پھر نتائج تک رسائی حاصل کرنا، جاننا اور پھر تعمیر کردار کا اسے ذریعہ بنانا، اس سے کوسوں دُور ہو چکا ہے۔ حیوانوں کے سامنے بھی اگر کسی حیوان کو گرا کر اس کے گلے پر چھری چلائی جائے تو دوسرے دیکھنے والے حیوان ڈر سے لرز جاتے ہیں اور انھیں اپنی جان کی فکر پڑ جاتی ہے۔ لیکن یہ انسان کیسے انسان ہیں کہ ان کے سامنے بستیوں کی بستیاں تباہ کی جاتی ہیں۔ وہ خود دیکھتے ہیں کہ نافرمان انسان جل جل کر خاک ہو رہے ہیں۔ آبادیوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا رہی ہے لیکن یہ مردہ فکر لوگ سبق حاصل کرنے کا نام تک نہیں لیتے۔ دوسری چیز یہ کہ مکافاتِ عمل کے قانون سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' کی حقیقت کارگاہ حیات پر گزرنے والی داستان کے ایک ایک حصہ سے چنی جا سکتی ہے اور تیسری یہ کہ قرون اولیٰ کی بستیوں اور آبادیوں کی تباہی کیوں ہوئی۔ انھوں نے کیا وطیرہ اپنایا جس پر فطرت نے ان سے منہ موڑ لیا اور وہ ذلت اور نکبت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ گویا اللہ کریم نے صاف طور پر فرما دیا کہ سچائیوں اور ہمہ گیر صداقتوں سے بے رُخی برتنے والی قومیں کبھی تباہی سے بچ نہیں سکتیں۔

اِنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ.

پھر ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوا کہ ان کی طرف واپس لوٹے۔

تباہی اور بربادی کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض بربادیاں ایسی ہوتی ہیں جن سے بچ نکلنے کی اُمید کی جا سکتی ہے اور بعض ایسی کہ وہ پھر دوبارہ اٹھنے نہیں دیتیں۔ مالکِ کائنات نے اس فقرے میں اپنے عذاب کی سنگینی بیان فرمائی کہ پھر ان میں ایسا کوئی بھی نہ ہوا کہ واپس لوٹ آئے اور اہل و احباب کے ساتھ زندگی کی رونقوں سے لطف مند ہو۔ امام رازی نے ایک اور احتمال بھی یہاں نقل کیا کہ آیۂ کریمہ کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کیا تا کہ زندہ بچنے والے لوگ مرنے والوں کے عقیدہ کی طرف دھیان نہ دے سکیں۔

وَاِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ اَحْیَیْنٰھَا وَاَخْرَجْنَا مِنْھَا حَبًّا فَمِنْہُ یَاْکُلُوْنَ. وَجَعَلْنَا فِیْھَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْھَا مِنَ الْعُیُوْنِ.

اور جتنے بھی ہیں سبھی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جانا ہے۔ اور ایک عظیم الشان نشانی ان کے لیے یہ بے جان زمین ہے۔ زندہ کیا ہم نے اسے اور نکالا اس سے اناج جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔ اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجوروں اور انگوروں کے اور جاری کیے ہم نے اس میں بعض پھوٹ کر نکلنے والے چشمے۔

وَاِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ.

اور جتنے بھی ہیں سبھی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جانا ہے۔

'مُحْضَرُوْن' کا معنی ائمہ تفسیر نے 'مُعَذَّبُوْن' سے بھی کیا۔ یعنی ان کی ہلاکت سے یہ تصور نہ پیدا ہو کہ اب ایک مرتبہ انھیں تباہ کر کے سلسلہ عذاب منقطع کر دیا گیا بلکہ معاملہ یہ ہے کہ موت ان کے لیے انتہائے کار نہیں۔ وہ اب بھی اپنے خدا کے سامنے ہیں۔ خصوصاً وہ وقت جب جمیع انسانوں کو اللہ کی عدالت میں کھڑا کیا جائے گا وہ بھی پھر سے عذاب کے لیے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ 'جمیع' کا مفہوم مجموع ہوگا۔ یہ ترکیب ایک دلچسپ نکتہ کی حامل ہے وہ اس طرح کہ اللہ کی ذات جہاں یہ قدرتیں رکھتی ہے کہ ان سب کے سب کو اپنے سامنے لا کھڑا کرے وہاں ان سب کو اکٹھا کرنے کی اس کے ہاں یہ حکمت بھی ہے کہ انسانوں کے لیے حقیقت سے فرار کی مختلف وجوہ میں سے ایک رنگ و ناموس کا مسئلہ بھی ہے اگر انھیں ایک دوسرے کے سامنے مبتلائے عذاب کیا جائے تو کرب کی کیفیات دوگنا ہو جائیں گی۔ اصل میں مدعا عذاب کی شدت بیان کرنا ہے۔

آیۂ کریمہ میں وقوع آخرت کے یقینی ہونے کو بھی سامنے لایا گیا

ہے۔ اکابر مفسرین نے اسی کی رعایت رکھتے ہوئے یہاں عربی کا ایک شعر نقل کیا ہے:

**ولو انا اذامتنا ترکنا لکان الموت راحته کل حیی**

**ولکنا اذا متنا بعثنا ونسئل بعده عن کل شئی**

اگر موت کے بعد ہمیں اس حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو موت تمام زندوں کے لیے راحت ہوتی لیکن ہمیں ہماری موت کے بعد پھر سے زندہ کیا جائے گا اور پھر ہر چیز کے متعلق پوچھ ہوگی۔

مُحۡضَرُوۡن کا معنی احضار للحساب بھی کیا گیا ہے یعنی حساب کے لیے حاضر کرنا وغیرہ۔ تعبیر کا فرق ہے مفہومات سب یکساں ہیں۔

**وَآيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ اَحۡيَيۡنٰهَا وَأَخۡرَجۡنَامِنۡهَاحَبًّا فَمِنۡهُ يَأۡكُلُوۡنَ. وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنٰبٍ وَفَجَّرۡنَا فِيۡهَا مِنَ الۡعُيُوۡن.**

اور ایک عظیم الشان نشانی ان کے لیے یہ بے جان زمین ہے، زندہ کیا ہم نے اسے اور نکالا ہم نے اس سے اناج جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔ اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجوروں اور انگوروں کے۔ اور جاری کیے ہم نے اس میں بعض پھوٹ کر نکلنے والے چشمے۔

اب تک سورۂ یٰسٓ میں فرستادگانِ الٰہی کی دعوتی جدوجہد کے نتیجہ میں پیش آمدہ حالات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا۔ نہایت دلنشین پیرایوں میں یہ بات واضح کی گئی کہ انسانی کائنات کی فلاح وصلاح اس میں مضمر ہے کہ وہ فخر مرسلین مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی معرفت حاصل کرے اور پھر ان کے دامنِ کرم سے وابستہ ہو کر فائز المرام زندگی کا تصور اجاگر کرے۔ ہر شخص عقیدۂ توحید کو جاننے اور ماننے والا ہو، دلوں کی سرزمین حسن ایمان کی بارش سے دُھل جائے، شرک اور بت پرستی کا خاتمہ ہو جائے، خواہشات اور مرضیوں کو نہ پوجا جائے بلکہ ایک الٰہ کی عبادت کا وہ نقشہ قائم ہو کہ آسمان تصور وتخیل سے بھی غیریت کی بدلیاں چھٹ جائیں، دنیا مسافر خانہ نظر آئے اس میں حرکت کرنے والا ہر شخص عدم کا مسافر دکھائی دے جس کا دنیا سے زیادہ آنے والے یوم آخرت پر ایمان مستحکم ہو، اچھے انسانوں کی قدر کی جائے اور بدی مست لوگوں کو مائل بہ احسان کرنے کی کوشش ہو، توحید، معاد، دعوت، رسالت، اور خیر وصلاح کے اسی قرآنی نظام پر متذکرہ آیات میں عالم تکوین سے انتباہ کیا گیا۔ کون ومکان کے تخلیقی سلسلوں میں قدرت الٰہیہ کی پھیلی ہوئی اَن گنت نشانیاں لوگوں پر واضح کی گئیں۔ صفحۂ دل پر انعامات واحسانات کے سپاس آفرین بیان کا نور بکھیرا گیا اس لیے کہ بھولے بھٹکے انسان منزل کا سراغ پالیں اور اپنی زندگیوں کو مقاصد کی روشنیوں سے جگمگا سکیں۔ خدا ان سے قریب ہو اور وہ خدا سے قریب ہو جائیں اور پھر یہی قرب کی مستیاں اور تقرب کے احساسات، روحانیت کے ولولے اور چاہتوں کے درد مضبوط معاشرتی زندگی کی اساس بن جائیں۔ رب کائنات نے ارشاد فرمایا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ ''اور ان کے لیے عظیم الشان نشانی ہے۔''

بھٹکے ہوئے ذہنوں، اُلجھی ہوئی سوچوں، درشت دماغوں، ناہموار دلوں اور بے احساس ضمیروں کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ زمین جیسی بے جان چیز ہی میں غور وفکر کر لیتے اور دیکھ لیتے کہ یہ کتنی بڑی نشانی ہے۔ آیۂ پر تنوین تفہیم کی ہے۔ جو عظمت دلیل کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الارض المیتة احیینھا (بے جان زمین جسے زندہ کیا ہم نے) میں پھیلے ہوئے استدلالی طرز کی طرف اشارہ ہو۔

قرآن مجید نے مردہ زمین اور پھر اس کے زندہ ہونے کو بطور آیۂ پیش فرمایا۔ اس عظیم نشانی اور علامت سے معرفت کا نور حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم غور کریں کہ جلی کٹی اور بنجر زمین میں اگر روئیدگی اور نباتات کے حیاتیاتی سلسلے دراز ہو سکتے ہیں تو کیا دلوں کی مردہ زمین کو حسن اعتقاد کے نور سے مزین نہیں کیا جا سکتا۔ جو خدا زمین کو رواں دواں آبی سلسلوں اور بارانی رحمتوں سے حیات عطا فرماتا ہے وہی خدا دلوں اور دماغوں کو حسن احساس وایمان سے رونق بخشنے کے لیے نبی، رسول اور کتابیں بھیجتا ہے۔

بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر مردہ مٹی بھی یہ استحقاق رکھتی ہے کہ اسے زندگی کی گرمیاں عطا ہوں تو زمین پر چلنے پھرنے والے انسان زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی تعلیمی اور تربیتی ضرورتیں پوری کر کے انھیں حیات جاوداں عطا کی جائے اور پھر اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تماشا گاہ حیات میں یہ ناممکن نہیں کہ پست کو بالا کر دیا جائے اور بالا کو پست بنا دیا جائے، مادہ حرارت میں تبدیل ہو جائے اور حرارت مادہ بن جائے، دریا خشکی میں تبدیل ہو جائیں اور خشکیو ں سے آبی ذخیرے پھوٹ پڑیں۔ یہ مشاہدہ حق کے جلوے مردہ زمین میں بخوبی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے باریک ذرّوں میں ایٹم کی قوت پوشیدہ ہے اور اس کے ایٹمی ذرّوں میں موت کی لہریں بھی موجود ہیں اور برق وبجلی کی زندگیاں بھی کارفرما ہیں۔ اس کے پھلوں میں زندگی کے سامان بھی ہیں اور اس کے آتشی سیلابوں میں موت کے زلزلے بھی پوشیدہ ہیں۔ گویا یہ زمین زمین نہیں عبرت گاہ ہے۔ اگر یہاں یہ سب کچھ ممکن ہے تو مردوں کو زندگی مل جانا بھی ممکن ہے۔ یہاں صرف حیات بعد الموت کی

طرف اشارہ ہی نہیں بلکہ قانون مجازات کا مؤثر بیان بھی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ زمین سے اگنے والے درخت، بوٹے اور شجر سب خاص خاص موسموں کی مناسبت ہی سے ایک وقت گزرنے کے بعد پھل دیتے ہیں۔ موسموں کے تغیر و تبدل میں خاص خاص کیفیات اور نوادر و نتائج ہماری توجہ اس طرح مبذول کراتے ہیں کہ جب آخرت کا موسم آئے گا تو ہر شخص نیکی اور بدی کے بیج سے اُگنے والی فصل کاٹ لے گا۔

'آیة لهم' میں 'هم' ضمیر کا مرجع 'عباد' ہے۔ یعنی مردہ زمین کا نشانی ہونا صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مبدا و معاد سے متعلق مسائل میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔ یہاں عباد سے مراد رسول اور مرسلین نہیں اس لیے کہ وہ تو آفرینش کائنات سے پہلے ہی مومن ہوتے ہیں بلکہ یہاں خطیب شربینی نے صالحین اور اولیائے کرام کو بھی مستثنیٰ کر دیا۔ ہمارے خیال میں اگر عباد کے زمرہ میں صالحین کو شامل کر بھی لیا جائے تو فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ کائنات عبرت اور فکر کے لیے ایک کھلی کتاب ہے، جس سے استفادہ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کرتا ہے۔ دُھوپ اور چھاؤں رات اور دن نور اور اندھیرے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ.

''اور ہم نے نکالا اس سے اناج جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔''

یہ حصہ بیان نعمت بھی ہے اور دلیل وحدت بھی۔ سخت زمین کو اناج اُگانے کے قابل بنایا، حسبِ ضرورت پودوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا، گٹھلی کا پھاڑنا اور اس سے ہرا بھرا پودا پیدا کر دینا، آفات سماوی سے پھرا سے محفوظ رکھنا، پودوں کو ضرورت کے مطابق روشنی فراہم کرنا، تزریع کے لیے ہواؤں میں مد و جزر پیدا کرنا، افادی تنوع کے لیے موسموں کو متغیر کر دینا، زمین کا آغوش بنا دینا اور آسمان کا چھت کر دینا، جہاں نباتات نہیں اُگتے ان جگہوں کو سکونتی ضروریات فراہم کر دینا غرضیکہ لالہ و گل کے اُگنے سے لے کر اوس اور شبنم کے گرنے تک، رقص کرتی ندیوں سے لے کر اُچھلتی کودتی آبشاروں تک، مست و بے خود چشموں سے لے کر فیض پرور جھرنوں تک ہر چیز اللہ کی کبریائی اور توحید کی دلیل بن کر سامنے آ رہی ہے۔ آفرینش کائنات کے یہ منظّم تکوینی سلسلے جس حسن تدبیر پر دلالت کرتے ہیں کیا ان سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ توازن و تناسب کے یہ انداز کسی ایک ہی ذات کے حسن ارادہ کے مرہونِ منت ہیں اور پھر منہ یاکلون سے مضراب انسانیت کی ایک ایک تار کو حرکت دی گئی کہ انسان جس کا کھاتا ہے اس کے گن گاتا ہے اگر یہ سادہ سا اصول ناقابلِ فہم نہیں تو فطرت پوچھ رہی ہے کہ یہ رسیلے پھل اور خوش ذائقہ اثمار، یہ دودھ ذائقہ پانی اور یہ شیریں مشروبات تمھیں کون فراہم کرتا ہے اگر اس میں شک نہیں کہ یہ اللہ ہی ہے جو نعمتوں پر نعمتوں کی بارشیں برسائے جا رہا ہے تو پھر یہ مان لینے میں کیا مضائقہ ہے کہ عبادت کے لائق بھی وہی ہے اور وہی اس قابل کہ اس کے انوار کو اپنے جذبوں کی طواف گاہ بنایا جائے۔

'مِنْه' کو 'یَاْکُلُوْن' پر مقدم کرنا اقتصادی زندگی میں نباتات کی اہمیت اور افادیت واضح کر رہا ہے۔ جو قومیں سنجیدگی کے ساتھ قدرت کے ان عطیات سے فائدہ حاصل کرتی ہیں انھیں کبھی معاشی بحران ذلت کی طرف نہیں لے جا سکتا۔ □□ (بشکریہ ایمز انٹرنیشنل، لندن، اگست ۲۰۱۱ء)

امام الفقہاء والمحدثین حضرت نعمان بن ثابت کوفی معروف بہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ
کی حیات و خدمات، اساتذہ و تلامذہ اور فقہ حنفی کے تعارف و تشہیر کی طرف

**ایک منفرد تاریخی قدم**

**سہ روزہ امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس ممبئی**

**تاریخ ۲۱، ۲۲، ۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ، سنیچر، اتوار**

**سیمینار: ۹ بجے صبح تا نمازِ عصر۔ کانفرنس: بعد نمازِ مغرب تا ۱۰ بجے شب**

**مقام:** نیو ایم ایسٹ وارڈ گراؤنڈ A-2 دیونار پولیس اسٹیشن روڈ، گوونڈی، ممبئی۔ ۴۳

زیر سرپرستی: گل گلزارِ قادریت و برکاتیت حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف

صدارت: صدر العلماء حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور

قیادت: رئیس التحریر حضرت مولانا یٰس اختر مصباحی بانی و صدر دار القلم دہلی

حمایت: محقق مسائل جدیدہ حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

خصوصی خطیب: مفکر اسلام حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی مصباحی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن

**تقریب رونمائی:** (۱) امام اعظم ابوحنیفہ اور فقہ حنفی (مجموعۂ مقالات (۲) مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی کی جامعیت (۳) فقہ حنفی کتاب و سنت کی روشنی میں (۴) الخیرات الحسان (۵) تحقیق التراویح (۶) امام اعظم اور علم حدیث (۷) امام اعظم امام المحدثین (۸) رفع یدین (۹) حالات فقہا و محدثین (۱۰) امام اعظم اعلیٰ حضرت کی نظر میں (۱۱) الاحادیث السبعة عن السبعة من الصحابة الذين رووا عنهم الامام ابوحنيفه (۱۲) Imam-e-Aazam & Knowledge of Hadees
بدست اقدس حضرت امین ملت مدظلہ النورانی

اس تقریب میں مولانا یٰس اختر مصباحی کی ۴۳۲ صفحات پر مشتمل تازہ کتاب **''علمائے اہل سنت کی بصیرت و قیادت''** (ناشر: مجلس فکر رضا، لدھیانہ) سیمینار کے سبھی شرکا کو تحفتاً پیش کی جائے گی۔

زیر انتظام: **تحریک جماعت اہل سنت کشی نگر** (یوپی)

زیر اہتمام: **حافظ محمد سبطین رضا قادری ایوبی**

022-25503088,09323123088,09321789816,09870068205,09322837045,09870021258
ای میل: z.barkati@gmail.com(09311442556),msraza@aitps.org

مولانا نظام الدین قادری ☆

# فضائلِ علم اور مذہبی علوم سیکھنے کی اہمیت وضرورت

علم کی فضیلت واہمیت پورے انسانی معاشرے میں بلاتفریق ایک مسلم امر ہے۔قرآن حکیم میں حضرت آدم علیہ السلام کی ملائکہ پر برتری اورافضلیت کا سبب 'علم' ظاہر فرمایا گیاہے۔ارشادِ ربانی ہے:

''وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ قَالَ يٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَاكُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ.''

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کوتمام (اشیا کے) نام سکھائے پھرسب (اشیا) کوملائکہ پرپیش کرکے فرمایاسچے ہوتوان کے نام تو بتاؤ،بولے پاکی ہے تجھے،ہمیں کچھ علم نہیں،مگر جتنا تونے سکھایا،بیشک توعلم والا،حکمت والاہے۔اے آدم!بتادے انھیں سب (اشیا) کے نام،جب اس نے (آدم علیہ السلام نے) انھیں سب کے نام بتادیئے فرمایا:میں نہ کہتا تھا میں جانتاہوں،آسمانوں اورزمین کی سب چھپی چیزیں،اور میں جانتاہوں جوکچھ تم ظاہر کرتے ہواور جوکچھ تم چھپاتے ہو۔(سورۂ بقرہ،آیت ۳۱-۳۲-۳۳)

صدرالافاضل مولاناسیّدمحمد نعیم الدین مرادآبادی تحریرفرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ملائکہ پرافضل ہونے کا سبب 'علم' ظاہرفرمایا۔(تفسیرخزائن العرفان،ص۱۱)

امام المتکلمین مولانانقی علی خاں تحریرفرماتے ہیں:

''اگر خدا کے نزدیک کوئی شی علم سے بہتر ہوتی توآدم علیہ السلام کو مقابلۂ ملائکہ میں دی جاتی۔فرشتوں کی تسبیح وتقدیس 'علم اسماء' کے برابر نہ ٹھہری،علم حقائق اور دیگرعلوم دینیہ کی بزرگی کس مرتبہ میں ہوگی۔قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔'' (فضل العلم والعلما،ص ۳۷)

اللہ رب العزت کاارشادہے:

''قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ.''

(ترجمہ) تم فرماؤ:کیا برابر ہیں جاننے والے اورانجان؟ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جوعقل والے ہیں۔

### کس علم کا حاصل کرنا ضروری ہے:

علوم بے شمار ہیں اوراسلام فردمومن کوآغوش مادر سے قبر کی منزل تک علم سیکھنے کا پیغام دیتا ہے۔ہرمومن مردوعورت پرعلم حاصل کرناضروری قرار دیتاہے،بلکہ علوم ومعارف کے سرچشموں کی اصلی ملکیت کااعزازمسلمانوں کوہی بخشاگیاہے۔آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاارشادمبارک ہے:

''الحكمة ضالة المؤمن حيث وجدها فهوا حق بها''

(حکمت مومن کی متاعِ گمشدہ ہے لہٰذا یہ چیز جہاں کہیں میسر ہواس کا اصلی حق دارمومن ہی ہے)

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ حدیث شریف میں جن علوم کوفرض قرار دیاگیاہے اس سے مراد کون سے علوم ہیں؟ اورآیا ان سب علوم کی تحصیل کا وجوب یکساں ہے یاان میں بعض کوترجیحی حیثیت حاصل ہے؟ امام احمدرضا قادری برکاتی انھیں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حدیث''طلب العلم فريضة على كل مسلم'' کہ بوجہ کثرت طرق،وتعددمخارج،حدیث حسن ہے،اس کاصریح مفاد ہرمسلمان مردوعورت پرطلبِ علم کی فرضیت،تویہ صادق نہ آئے گامگراس علم پرجس کا تعلّم فرض عین ہو،اورفرض عین نہیں مگراُن علوم کاسیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو،ان کااعم واشمل واعلیٰ واکمل واہم واجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتاہے اور انکارومخالفت سے کافریابدعتی،والعياذ بالله تعالىٰ۔سب میں پہلافرض آدمی پراسی کاتعلّم ہے اوراُس کی طرف احتیاج میں سب یکساں۔

پھرعلم مسائل نمازیعنی اس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نمازصحیح طور پرادا کرسکے،پھرجب رمضان آئے تومسائل صوم،مالک نصاب نامی ہوتومسائل زکوٰۃ،صاحبِ استطاعت ہوتومسائلِ حج،نکاح کیا چاہے تواس کے متعلق ضروری مسئلے،تاجرہوتومسائلِ بیع وشراء،مزارع پر مسائل زراعت،موجرومستاجرپرمسائل اجارہ علیٰ هٰذا القياس ہرشخص پراُس کی حاجت موجودہ کے مسئلے سیکھنافرض عین ہےاورانھیں میں سے ہیں

---

☆ نائب صدرالمدرسین:دارالعلوم علیمیہ،جمداشاہی،بستی (یوپی)

مسائلِ حرام وحلال کہ ہر فرد بشران کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ، مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیرہا اور ان کے طرقِ تحصیل اور محرمات باطنہ، تکبر وریا وعُجب وحسد وغیرہا اور ان کے معالجات کہ اُن کا تعلم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے جس طرح بے نمازی، فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یوں ہی بعینہٖ ریا سے نماز پڑھنے والا انھیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔ **نسئل اللّٰہ العفو و العافیة** تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱۶)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"عرض اس حدیث میں اسی قدر علم کی نسبت ارشاد ہے۔ ہاں! آیات واحادیثِ دیگر کہ فضیلت علما ترغیب علم میں وارد، وہاں ان کے سوا اور علوم کثیرہ بھی مراد ہیں جن کا تعلّم فرض کفایہ یا واجب یا مسنون یا مستحب، اس کے آگے کوئی درجۂ فضیلت وترغیب اور جو ان سے خارج ہو ہرگز آیات واحادیث میں مراد نہیں ہوسکتا اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اُس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالۃً جیسے فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط وتفسیر قرآن بے افراط وتفریط خواہ وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان کہ فی حد ذاتھا امر دینی نہیں مگر فہم قرآن وحدیث کے لیے وسیلہ ہیں اور فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ اس کے لیے عمدہ معیار عرض کرتا ہے۔ مراد متکلم جیسے خود اُس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے دوسرے کے بیان سے نہیں ہوسکتی۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے علم وعلما کے فضائل عالیہ وجلائل غالیہ ارشاد فرمائے، انھیں کی حدیث میں وارد ہے کہ علما انبیا کے وارث ہیں، انبیا نے درہم ودینار ترکہ میں نہ چھوڑے، علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے، جس نے علم پایا اس نے بڑا حصہ پایا۔ پس ہر علم میں اسی قدر دیکھ لینا کافی کہ یہ وہی عظیم دولت نفیس مال ہے جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ترکہ میں چھوڑا، جب تو بے شک محمود اور فضائل جلیلہ موعودہ کا مصداق اور اس کے جاننے والے کو لقب عالم ومولوی کا استحقاق، ورنہ مذموم وبد ہے جیسے فلسفہ ونجوم یا لغو وفضول جیسے قافیہ وعروض یا کوئی ندیا کا کام جیسے نقشہ ومساحت بہرحال ان فضائل کا مورد نہیں، نہ اس کے صاحب کو عالم کہہ سکیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص۱۶)

مزید فرماتے ہیں:

"فقیر غفر اللہ لہٗ قرآن وحدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کرسکتا ہے کہ مصداق فضائل صرف علوم دینیہ ہیں بس ان کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک علم، نہ آیات واحادیث میں مراد، اگرچہ عرف ناس میں یا باعتبار لغت اسے علم کہا کریں، ہاں آلات ووسائل کے لیے حکم مقصود ہوتا ہے مگر اسی وقت تک کہ وہ بقدر توسل وتقصد وتوسل سیکھے جائیں، اس طور پر وہ بھی مورد فضائل ہیں جیسے نماز کے لیے گھر سے جانے والوں کو حدیث میں فرمایا کہ وہ نماز میں ہے، جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے نہ یہ کہ انھیں مقصود قرار دے لیں اور ان کے توغل میں عمر گزار دیں، نحوی لغوی ادیب منطقی کہ انھیں علوم کا ہو رہے اور مقصود اصلی سے کام نہ رکھے زنہار عالم نہیں کہ جس حیثیت کے صدقہ میں انھیں نام ومقام علم حاصل ہوتا ہے جب وہی نہیں تو یہ اپنی حد ذات میں نہ ان خوبیوں کے مصداق تھے نہ قیامت تک ہوں، ہاں اسے یہ کہیں گے کہ ایک صنعت جانتا ہے جیسے آہن گر ونجار اور فلسفی کے لیے یہ مثال بھی ٹھیک نہیں کہ لوہار بڑھئی کو ان کا فن دین میں ضرر نہیں پہنچاتا اور فلسفہ تو حرام ومضر اسلام ہے، اس میں منہمک رہنے والا لقب اجہل جاہل اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے۔ **لاحول و لاقوة الابالله العلی العظیم** ہیہات، اسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ ہے، نہ وہ جو کفارِ یونان کا پس خوردہ۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کی مذکورہ بالا تقریر منیر حسن تحریر وتہذیب سے آراستہ ہے اور قلت الفاظ کے باوجود کثرت معانی سے معمور اور ایرادات واشکالات کے شافی جوابات سے مالا مال ہے اور جامعیت واختصار ان کے زرنگار قلم کے خواص سے ہے۔ اسی لیے آپ نے اس فتوی کے اخیر میں تحریر فرمایا "یہ مجمل کلام ہے۔ باقی تفصیل مقام کے لیے دفتر طویل درکار، جسے منظور ہو احیاء العلوم، وطریقۂ محمدیہ وحدیقۂ ندیہ ودرمختار وردالمختار وغیرہا اسفار علما کی طرف رجوع کرے۔ **وفیما ذکرناہ کفایة لاھل الدرایہ**۔" (فتاویٰ رضویہ، ج۹، ص:۱۷)

فتاویٰ رضویہ سے یہ طویل اقتباسات ذکر کرنے سے میرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ قرآنی آیات مقدسہ یا احادیث مبارکہ میں جو علم اور علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے اس سے مراد علوم دین اور علمائے دین ہیں۔

## علم دین کی فضیلت قرآنی آیات کی روشنی میں:

متعدد آیات طیبہ سے علم دین اور علمائے دین کی فضیلت عیاں ہے، یہاں چند آیتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

(ا) علمائے دین کے قلوب کو خالق کائنات نے اپنی خشیت کی نعمت عظمی سے آباد کر رکھا ہے اور یہ علماء کے لیے وہ تمغۂ اعزاز ہے جو بے شمار انعامات ربّانیہ سے بہرہ ور کیے جانے کا سبب ہے اور اس عظیم نعمت کا ذریعہ علم ہی بنتا

ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

''اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا''

واضح سی بات ہے کہ خوف وخشیت کی حقیقت علم والے ہی پر عیاں ہوتی ہے۔ایک شیر خوار بچہ کے سامنے اگر خطرناک زہریلا سانپ رکھ دیا جائے تو وہ اس کو آگے بڑھ کر پکڑلے گا اور ایک خوش ذائقہ خوش رنگ مشروب جس میں ایک قطرہ زہر کی آمیزش کا علم ہو کوئی عاقل انسان کسی قیمت پر پینے کے لیے تیار نہ ہوگا کیونکہ شیر خوار بچہ سانپ کی ضرررسانی سے آگاہ نہیں ہے اور عاقل انسان زہر کے انجام سے باخبر ہے۔

حضرت مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور وجہ اس حصر کی ظاہر ہے کہ جب تک انسان خدا کے قہر اور احوال دوزخ اور احوال قیامت کو بہ تفصیل نہیں جانتا، حقیقت خوف وخشیت کی اس کو حاصل نہیں ہوتی اور تفصیل ان چیزوں کی علماء کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔'' (فضل العلم والعلماء،ص:۳۷)

(۲) علم والوں کو اللہ جل شانہٗ نے یہ مژدۂ جانفزا سنایا ہے کہ ان کے درجات بلند ہوں گے۔ارشاد ہے:

''یَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ'

اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور علم سے نوازے گئے لوگوں کے درجات بلند فرمائے گا۔

(۳) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یُؤۡتِی الۡحِكۡمَةَ مَنۡ یَّشَآءُ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا كَثِیۡرًا''

اللہ رب العزت جس کو چاہتا ہے حکمت سے سرفراز فرماتا ہے اور جسے حکمت سے نواز دیا گیا اسے خیر کثیر سے نواز دیا گیا۔مقام غور ہے کہ قرآن حکیم نے دنیا کی متاع کو معمولی قرار دیا ہے حالانکہ اگر کوئی پوری دنیا تو درکنار کوئی شخص صرف ایک چھوٹے ملک کی متاع کی تحدید وتعیین کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا تو پھر اس خیر کی عظمت وجلالت اور مقدار کا اندازہ انسانی دماغ کیسے کرسکتا ہے جس کو قرآن ''خیر کثیر'' کے عنوان سے ذکر فرمارہا ہے۔

ذخیرۂ احادیث علم اور علماء کی عظمتوں اور ان کی رفعت شان کے ذکر جمیل سے معمور ہے۔چند حدیثیں ذکر کی جارہی ہیں:

(۱) مسجد دمشق میں ایک شخص حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں مدینۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے پاس ایک حدیث سننے کو آیا ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ آپ اسے بیان کرتے ہیں کسی اور کام کے لیے نہیں آیا ہوں۔حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ کو چلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر لے جاتا ہے اور طالب علم کی خوشنودی کے لیے فرشتے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان والے اور زمین کے بسنے والے اور پانی کے اندر مچھلیاں یہ سب استغفار کرتے ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر بے شک علماء وارثِ انبیاء ہیں۔انبیاء نے اشرفی اور روپیہ کا وارث نہیں کیا، انھوں نے علم کا وارث کیا پس جس نے علم کو لیا اس نے پورا حصہ لیا۔(بہار شریعت، حصہ:۱۶،ص:۶۱۹)

(۲) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، وہاں دو مجلسیں تھیں فرمایا کہ ''دونوں مجلسیں اچھی ہیں اور ایک دوسری سے افضل ہے، یہ لوگ اللہ عزوجل سے دُعا کرتے ہیں اور اس کی طرف رغبت کرتے ہیں، وہ چاہے تو ان کو دے اور چاہے تو منع کردے اور یہ دوسری مجلس والے علم سیکھتے ہیں یہ افضل ہیں، میں معلم بنا کر بھیجا گیا'' اور اسی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔(بہار شریعت حصہ:۱۶،ص:۶۲۱)

(۳) علماء کی سیاہی شہید کے خون سے تولی جائے گی اور اس پر غالب ہوجائے گی۔(ایضاً،ص:۶۲۲)

(۴) اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش رکھے جس نے میری بات سنی اور یاد کرلی اور محفوظ رکھی اور دوسرے کو پہنچادی، کیونکہ بہت سے علم کے حامل اس تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہے۔(ایضاً ص،۶۲۲)

## دینی علم سے غفلت اور لاپرواهی کے نقصانات:

جن چیزوں کا سیکھنا فرض عین یا واجب عین ہے ان میں سستی اور غفلت سے آدمی ہر وقت گنہگار رہتا ہے۔مقام عبرت ہے کہ اعمال معصیت میں جب تک آدمی مصروف عمل ہے اتنے وقت تک ہی وہ مرتکب معصیت گردانا جاتا ہے مگر ضروری علم کی تحصیل سے غفلت میں آدمی ہر وقت ارتکاب معصیت کا مجرم گردانا جائے گا۔علاوہ ازیں ضروری علم سے تغافل آدمی کے لیے کس درجہ ہلاکت خیز ہے اس کا اندازہ لگانے کے لیے ذیل میں بطور مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کے ایک فتویٰ کا اقتباس دیا جارہا ہے۔سوال ایک ایسے شخص کے بارے میں کیا گیا جو قرأت نماز میں 'ح' کو 'ہ' پڑھتا تھا جواباً آپ نے تحریر فرمایا، اسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں اور نماز اس کے پیچھے نادرست کہ اگر وہ شخص 'ح' کے ادا پر بالفعل قادر ہے اور

باوجود اس کے اپنی بے خیالی یا بے پرواہی سے کلمات مذکورہ میں 'ہ' پڑھتا ہے تو خود اس کی نماز فاسد و باطل، اوروں کی اس کے پیچھے کیا ہو سکے؟ اور اگر بالفعل 'ح' پر قادر نہیں اور سیکھنے پر جان لڑا کر کوشش نہ کی تو بھی خود اس کی نماز محض اکارت اور اس کے پیچھے ہر شخص کی باطل اور اگر ایک ناکافی زمانہ تک کوشش کر چکا پھر چھوڑ دی جب بھی خود اس کی نماز پڑھی بے پڑھی سب ایک سی اور اس کے صدقہ میں سب کی گئی اور اگر برابر حد درجہ کی کوشش کیے جاتا ہے مگر کسی طرح 'ح' نہیں نکلتی تو اس کا حکم مثل امّی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے اور اقتدا نہ کرے بلکہ تنہا پڑھے تو بھی اس کی نماز باطل پھر امام ہونا تو دوسرا درجہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳: ص: ۹۴)

**ہمیشہ خود کو طالب علم سمجھنا چاہیے:**

علم ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے، اسی لیے اس راہ کے مسافر کی کوئی منزل نہیں ہے، جہاں پہنچ کر وہ سفر ترک کر دے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

**"اطلبوا العلم من المهد الى اللحد"**

آغوشِ مادر سے قبر کی منزل تک علم کی طلب میں لگے رہو۔

یہی وجہ ہے کہ عمر کے کسی لمحے میں معلومات میں اضافے کی فکر سے غفلت نہیں ہونی چاہیے۔ علامہ ابن نجم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جب امام ابو یوسف، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہما اللہ کو اطلاع دیئے بغیر درس دینے بیٹھ گئے تو امام صاحب نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا جس نے ان سے پانچ مسائل دریافت کیے۔

**پہلا مسئلہ:**

ایک دھوبی کپڑے کا ہی انکار کر بیٹھا (یعنی اس نے یہ کہا کہ اس کو دھلنے کے لیے کپڑا دیا ہی نہیں گیا ہے) اور پھر دھلا ہوا کپڑا لایا تو اجرت کا حقدار ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ اجرت کا حق دار ہے، تو اس آدمی نے کہا آپ نے صحیح جواب نہ دیا، تو آپ نے فرمایا وہ اجرت کا حق دار نہیں ہے، تو اس نے کہا کہ آپ کا جواب صحیح نہیں، پھر اس نے بتایا کہ اگر دھوبی نے اس کپڑے کو انکار سے پہلے دُھل دیا تھا تو اجرت کا حق دار ہے ورنہ حق دار نہیں ہے۔

**دوسرا مسئلہ:**

نماز میں آدمی فرض کے ذریعے داخل ہوتا ہے یا سنت کے ذریعہ داخل ہوتا ہے؟ امام ابو یوسف نے کہا: فرض سے داخل ہوتا ہے تو اس نے جواب کو غلط قرار دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ سنت سے داخل ہوتا ہے تو اس نے اس کو بھی غلط کہا تو امام ابو یوسف حیرت زدہ ہوئے۔ تو اس آدمی نے بتایا کہ فرض اور سنت دونوں سے داخل ہوتا ہے کیونکہ تکبیر فرض ہے اور رفع یدین سنت ہے۔

**تیسرا مسئلہ:**

ایک پرندہ آگ پر رکھی دیگ میں گر گیا جس میں گوشت اور شوربا ہے تو کیا اس گوشت اور شوربا کو کھایا جائے گا؟ تو امام ابو یوسف نے فرمایا: کھایا جائے گا۔ اس نے کہا جواب صحیح نہیں تو آپ نے فرمایا: نہیں کھایا جائے گا تو بھی جواب کو غیر صحیح کہا اور پھر بتایا کہ اگر گوشت پرندہ گرنے سے پہلے پک چکا تھا تو تین دفعہ دُھل کر کھایا جائے گا ورنہ سب پھینک دیا جائے گا۔

**چوتھا مسئلہ:**

ایک مسلمان کی ذمیہ عورت مر گئی اور یہ حاملہ تھی تو کس قبرستان میں دفن کی جائے گی؟ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی جائے گی۔ اس آدمی نے جواب کو غلط بتایا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذمیوں کے قبرستان میں دفن کی جائے گی تو اس آدمی نے اس کو بھی غلط بتایا۔ امام ابو یوسف حیرت میں پڑ گئے۔ اس آدمی نے بتایا کہ اس کو یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا لیکن اس کا چہرہ قبلہ سے پھیر دیا جائے گا تا کہ بچے کا رُخ قبلہ کی طرف ہو کیونکہ بچہ کا چہرہ ماں کے شکم میں اس کے پیٹھ کی طرف ہوتا ہے۔

**پانچواں مسئلہ:**

ایک آدمی کی امّ ولد نے اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پھر مولیٰ مر گیا تو کیا مولیٰ کے مرنے سے عدت لازم ہوگی؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا واجب ہوگی۔ اس آدمی نے جواب کو غلط بتایا پھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نہیں واجب ہوگی تو اس جواب کو بھی غلط بتایا، پھر اس نے بتایا کہ اگر شوہر نے اس سے وطی کر لی ہے تو عدت واجب ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔

اب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں واپس آئے تو انھوں نے فرمایا آپ نے وقت سے پہلے منصب سنبھال لیا۔ (الاشباہ والنظائر، ص ۴۲۴-۴۲۵)

مذکورہ بالا عبرت آموز واقعہ سے واضح ہے کہ آدمی کو کبھی بھی طلب علم سے غفلت نہیں کرنی چاہیے اور اساتذہ کے مشورہ اور اجازت کے بعد ہی تدریس کا ذمہ اٹھانا چاہیے۔ ◻◻

پروفیسر شاہ فرید الحق ☆

# قادیانیت پر آخری ضرب

پروفیسر شاہ فرید الحق جمعیت علمائے پاکستان کے ایک قابل فخر رہنما ہیں۔انھوں نے سندھ اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد کی حیثیت سے جو بہترین کردار ادا کیا اس کا اعتراف ہر ایک کو ہے۔شاہ صاحب سیاسیات کے پروفیسر رہے ہیں اور اس مضمون کی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔انھوں نے قرآن مجید کا آسان اور سلیس انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے۔قومی اسمبلی پاکستان نے ۷رستمبر ۱۹۷۴ء کو ایک تاریخی فیصلے میں قادیانیوں، لاہوریوں اور نام نہاد احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔شاہ صاحب نے پاکستان میں تحریک ختم نبوت کے تاریخی کردار، حرکت و عمل اور اس کے نتیجے میں پاکستان اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کی روداد کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔(ادارہ)

۲۲رمئی ۱۹۷۴ء کو نوجوانانِ اسلام نے ربوہ اسٹیشن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و مقام مصطفیٰ کے تحفظ کا نعرہ لگا کر جھوٹے مدعی نبوت کی جھوٹی امت کے دل پر ایک کچوکہ لگایا، بھلا کفار کو برداشت کی کہاں طاقت، حالانکہ کفار اور مشرکین اپنے انجام سے باخبر ہیں اور انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ جب بھی وہ دین اسلام سے نبرد آزما ہوئے منہ کی کھائی۔

''ربوہ'' کے منافقین اور کفار کو یہ بات گراں گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی قرار دیا جائے یا ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے جائیں۔

۲۹رمئی ۱۹۷۴ء کو جب کہ نوجوانانِ اسلام سفر سے واپس ہو رہے تھے، ان منافقین اور مرتدین نے سوچی سمجھی سازش کے تحت ان پر حملہ کر کے ان کو زدوکوب کیا۔ان کے لہو بہائے، بعض کو شدید ضربات پہنچائیں اور انھیں کافی دنوں تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہنا پڑا۔کسی کا منہ توڑا گیا۔کسی کی ناک اور ہڈی توڑی گئی۔ غرض یہ کہ جارحیت کا سماں تھا۔ٹرین باضابطہ روک کر یہ ساری کارروائی ان نام نہاد بہادر منافقین اور مرتدین نے چند نوجوان مسلمان طلبہ کے خلاف کی۔

قدرت کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے، ان نوجوانوں کا خون رنگ لایا۔ ان مرتدین اور منافقین کے خلاف دبا ہوا لاوا پھوٹ پڑا۔پورے ملک میں آگ لگ گئی بالخصوص پنجاب کے نوجوان طلبہ میدان میں آگئے۔ربوہ کے گردونواح کی مسلمان بستیاں پہلے بھڑک اٹھیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ انتقامی کارروائی شروع ہوگئی، پورے علاقہ میں خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوگئی۔رفتہ رفتہ اس آگ نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔یہ آگ معمولی آگ نہیں تھی۔عشقِ مصطفیٰ اور مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ تھی، یہ پانی سے نہیں بجھائی جاتی، یہ کچھ اور ہی تلاش کرتی ہے۔آج بھی پاکستان کا سوادِ اعظم مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ اور ناموسِ رسالت کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہے باوجود تمام برائیوں اور گناہوں کے مسلمان جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی ایمان ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ کوئی بات سن سکتا ہے اور نہ برداشت کر سکتا ہے، پھر ایسے لوگوں سے جو منافقت کا لبادہ اوڑھ کر بزعم خود اپنے کو مسلمان کہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو نہ پہچانیں، قرآن کی کھلی آیت اور اس کے کھلے مطلب کا انکار کر کے امتِ مسلمہ کو گمراہ و بے دین کرنے کا بیڑا اُٹھائیں۔تواتر سے جو عقیدہ مسلمانوں کے درمیان چلا آرہا ہے اس کے خلاف پچھلے نوے سال سے چند مٹھی بھر افراد نبرد آزما ہوں اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو چیلنج کریں۔ بھلا اس کے خلاف ملت اسلامیہ کیوں کر نہ متحد ہوتی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان کی راہ میں سب سے زیادہ روڑا قادیانیوں نے ڈالا لیکن سوادِ اعظم اہلِ سنت کے علما، صوفیا اور رہنما جو پاکستان کی تشکیل میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کے شانہ بشانہ تھے۔انھوں نے صرف مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لیے مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا۔لیکن کیا معلوم تھا کہ ان کے ساتھ دھوکا کیا جائے گا اور بعد میں مفاد پرست حضرات پاکستان کے نظریہ کے خلاف عمل پیرا ہوں گے۔

کافی دنوں تک پاکستان بننے کے بعد سوادِ اعظم اہل سنت حکومتی سیاست سے الگ رہے لیکن دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت اور مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لیے محراب و منبر سے اپنی آواز بلند کرتے رہے۔کسے معلوم کہ پاکستان بننے کے بعد سب سے پہلے علمائے اہلِ سنت کے افراد نے جن میں مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا سیّد ابوالحسنات صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی والد ماجد مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان، مولانا سید احمد سعید کاظمی اور مولانا عبدالستار خاں نیازی وغیرہ نے قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف آواز اٹھائی اور حکمران پر یہ واضح کیا کہ ان کی تبلیغ کو روکا جائے، انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے تحفظ کو سوادِ اعظم اہلِ سنت اپنے ایمان کا جز تصور کرتے ہیں، وہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا معمول بنائے ہوئے ہیں۔اٹھتے بیٹھتے ان کا مشغلہ درود فاتحہ میلاد اور منقبتِ رسول ہے۔انھیں اعمال کی وجہ سے انھیں مخالفین کے طعنے بھی سننے پڑتے ہیں۔ان پر مختلف قسم کے فتوؤں

☆ سابق اسسٹنٹ سکریٹری جنرل، مرکزی جمعیت علمائے پاکستان

کی بھی بوچھاڑ ہوتی ہے لیکن یہ ان تمام چیزوں سے بے پرواہ ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اپنے ایمان کی کسوٹی تصور کرتے ہیں، سوادِ اعظم اہلِ سنت کے علما اور عوام قرآن کی اس آیت کا ورد، ہر فاتحہ درود تلاوت اور ذکر میں کرتے ہیں۔

''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔''

محمد صَلّی اللہ علیہ وسلم تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں۔

ایسے لوگ بھلا کب اور کیسے مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کو تسلیم کرسکتے ہیں یا اس کے خلاف معرکہ آرائی میں پیچھے رہ سکتے ہیں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی علماء اور عوام اہلِ سنت نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔ بالخصوص جسٹس منیر کی رپورٹ اس کی منہ بولتی تصویر ہے۔ لاتعداد علمائے اہلِ سنت جیلوں میں گئے۔ سینکڑوں افراد نے جامِ شہادت نوش کیا۔ مولانا عبدالستار نیازی اور مولانا خلیل احمد صاحب قادری کو مارشل لاء کورٹ سے سزائے موت دی گئی۔ ان تمام حالات کے باوجود ان رہبرانِ ملت کے پاؤں میں لغزش نہ آئی۔ خدا کا شکر ہے کہ بعد میں اس تحریک کی آبیاری نوجوان طلبہ نے شروع کی۔ اس میں علما اور عوام شامل ہوگئے اور ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو اس کا پھل نہ صرف اسلامیانِ پاکستان کو بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کو ملا۔

یہاں مختصراً اس ضمن میں جو کارروائی علمائے اہلِ سنت اور دیگر افراد کی طرف سے کی گئی اور حکومت کا رویہ کیسا رہا اس کی روداد اپنی معلومات کی بنا پر جو میں نے اراکینِ قومی اسمبلی بالخصوص مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری سے حاصل کی ہیں پیش کرتا ہوں۔ تحریک کی کامیابی کے آخری دِنوں یعنی ۴ر ستمبر ۱۹۷۴ء سے ۵ر ستمبر ۱۹۷۴ء تک میں بھی اسلام آباد میں مقیم تھا اس لیے آخری وقت کی کارروائیوں سے کچھ نہ کچھ میں نے ذاتی طور پر بھی واقفیت حاصل کی ہے۔

قوم کے نام ۳ر جون ۱۹۷۴ء کو جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ایک لمبی تقریر نشر کی میں اس تقریر پر فی الوقت تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ عوام کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کیسی تقریر کرتے ہیں اور کیا کیا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ بہر حال انھیں موقع کی سنگینی اور نزاکت کا احساس ہوا۔ پنجاب آگ میں جلنے لگا۔ چاروں صوبوں میں تحریک زور پکڑتی گئی، گرفتاریاں اور مار دھاڑ شروع ہوگئی۔ پولیس اور سیکورٹی فورس حرکت میں آ گئی۔ ملک کی پوری انتظامیہ لا اینڈ آرڈر کے بہانے عوام کے ساتھ سختیوں اور تشدد پر اُتر آئی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے بھٹو صاحب نے یہ وعدہ فرمایا کہ اسے طے کرنے کا راستہ یہ ہے کہ جمہوری طریقہ سے طے کیا جائے۔ اس لیے یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں ۳۰ر جون کو پیش کردیا جائے گا۔ وہ جو فیصلہ کرے گی وہ مجھے بھی اور پوری قوم کو قابلِ قبول ہوگا۔

پاکستان کے تمام مسلمان یہ جانتے ہیں کہ قادیانی مرتد اور کافر ہیں۔ نئے فتوے کی ضرورت نہیں، علمائے کرام اپنی حجتیں تمام کرچکے ہیں، مسئلہ صرف یہ تھا کہ انھیں بحیثیت مسلمان کے پاکستان میں تبلیغ کرتے رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں! غیر مسلم کی حیثیت سے ان کے جان و مال کا تحفظ کیا جاسکتا ہے لیکن منافق کی حیثیت سے رہنے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا۔ چونکہ پاکستان میں عظیم اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تصور کرتے ہیں اور ان کے بعد کسی قسم کی نبوت یا وحی کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے کفر اور ارتداد تصور کرتے ہیں اس لیے اس عقیدے کے خلاف جو لوگ بھی ہیں وہ کافر مرتے ہیں، وہ اپنے کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے اس لیے اسلام کے بنیادی عقیدہ کے خلاف کسی منافق کو تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لازمی طور پر قادیانیوں اور احمدیوں کو غیر مسلم آئینی حیثیت سے قرار دیا جائے تاکہ پاکستان سازش سے بچ سکے اور مسلمان اپنے دین و ایمان کا تحفظ کرسکیں۔

وزیر اعظم نے جمہوریت کے سہارے اس بنیادی مسائل کے لیے بھی مہلت چاہی، حالانکہ جمہوری اداروں کے ذریعے اسلامی مملکت میں بنیادی عقائد طے نہیں کیے جاتے۔ اسلام میں جمہوریت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ حدود کے اندر ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو چیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی ہے وہ اکثریت سے حلال ہوجائے اور حلال حرام۔ اسی طرح اللہ جل مجدہٗ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نبوت اور رسالت، قرآن کے وحیِ الٰہی ہونے کے متعلق فیصلہ، یا قیامت کے قائم ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ، اس قسم کی بنیادی باتیں مغربی طرز کی اکثریتی جمہوریت کے طور پر نہیں طے ہوتیں۔

بہر حال حکومت نے وقت لیا۔ ادھر تحریک پھر زور شور سے چلنے لگی۔ حضور کی خاتمیت پر ایمان رکھنے والے مختلف الخیال لوگ ایک جگہ اکٹھا ہوگئے۔ اس میں اہلِ سنت کے علاوہ دیوبندی، وہابی، اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات بھی شامل ہوئے۔ اس کے علاوہ سیاسی جماعتوں کے افراد مثلاً نیشنل عوامی پارٹی مسلم لیگ، خاکسار، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اسلام (مفتی گروپ) جماعت اسلامی، وغیرہ نے بھی متحد ہوکر کام شروع کیا اور اس طرح ایک ''مرکزی مجلس عمل'' تحفظ ختم نبوت کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔

''مرکزی مجلس عمل'' کے صدر دیوبندی مکتبہ فکر کے مولانا بنوری (کراچی) منتخب ہوئے اور اس کے جنرل سکریٹری سوادِ اعظم اہلِ سنت کے مشہور عالم مولانا سیّد محمود احمد رضوی خلف الرشید حضرت مولانا سیّد ابوالبرکات مدظلہٗ العالی حزب المنان لاہور منتخب ہوئے، مجلس عمل میں مختلف جماعتوں کو نمائندگی دی گئی۔

عملی طور پر اس مجلس میں جن لوگوں نے حصہ نہیں لیا وہ یہ ہیں: غلام غوث ہزاروی گروپ جو مفتی محمود سے الگ ہو کر حکومت کی کاسہ لیسی کرنے میں علما کا وقار سمجھتا ہے۔ مولوی احتشام الحق تھانوی اور ان کی مختصر سی جماعت نیز تحریک استقلال بحیثیت جماعت مجلس عمل میں شریک نہیں ہوئی البتہ انفرادی طور پر تحریک استقلال کے ایک رہنما صاحبزادہ احمد رضا قصوری ایم این اے مجلس عمل کے رہنماؤں کے ساتھ تحریک کی حمایت کرتے رہے اور قومی اسمبلی میں ختم نبوت کا نعرہ بلند کیا اور قادیانیوں کے خلاف تقریریں کیں۔ ان کے علاوہ کچھ خالص سرکاری کاسہ لیس مولوی مثلاً جمعیت علماء اسلام (حقیقی) نام نہاد جمعیت علمائے پاکستان جس کے سربراہ بزعم خود صاحبزادہ سیّد فیض الحسن صاحب کرمہار شریف والے ہیں، نیز چند مشہور اور معروف خوشامدی مولوی، ان تمام کا ذکر فضول ہے۔ یہ لوگ حکومت کے اشارے کے منتظر رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ جانے انھیں کتنا لگاؤ ہے اور موجودہ حکومت کے افراد بالخصوص بھٹو صاحب سے یہ لوگ کتنے قریب ہیں، اس کا فیصلہ عوام خود کر سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ان لوگوں نے بھی قادیانیوں کے خلاف گول مول بیانات دیے لیکن کھل کر کبھی سامنے نہ آئے۔

مرکزی مجلس عمل نے اپنا کام تیزی سے شروع کیا۔ بالخصوص پنجاب میں بڑا زورشور شدید ہوا۔ مسجدوں محرابوں اور منبروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت شروع ہوئی۔ ان کے مقام کی فضیلت بیان کی گئی۔ جلوس نکالے گئے۔ مجلس عمل نے چند صاف اور واضح مطالبات رکھے گئے، وہ یہ ہیں:

1. قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
2. ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔
3. قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔

ویسے تمام جماعت کے لوگوں نے جو اس تحریک میں ساتھ تھے اپنا اپنا کردار ادا کیا لیکن سواد اعظم اہلِ سنت نے جتنا اسے حق تھا وہ حق ادا کیا تھا۔ علما و خطبا پورے ملک میں اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے مسئلہ کی اہمیت کو واضح کرنے لگے۔ سندھ میں مجلس عمل کا صدر جناب صوفی محمد ایاز خاں صاحب نیازی صدر جمعیت علمائے پاکستان (کراچی ڈویژن) کو بنایا گیا۔ انھوں نے اس صوبہ کے تمام اضلاع میں مجلسِ عمل کی بنیاد ڈالی، دورے کیے اور مسئلہ سے عوام کو روشناس کرایا اور حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس مسئلہ کو التوا میں نہ ڈالے۔ ادھر پنجاب میں مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی اور مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا سیّد محمد علی رضوی، مولانا محمد ذاکر صاحب اور مفتی ظفر علی نعمانی (سینئر) دو محاذوں پر لڑ رہے تھے۔ پورے صوبے کا دورہ بھی کر رہے تھے اور اسمبلی کی کارروائیوں میں برابر کے شریک رہے۔

ان حضرات کے ساتھ بطل حدیث جانبازِ ختم نبوت مولانا عبدالستار نیازی جنھیں ۱۹۵۳ء میں پھانسی کی سزا دی گئی تھی، بھی شامل ہوئے، اور پورے پنجاب میں ان علما اور انجمن طلبائے اسلام کے سپوتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کا اپنی بساط سے زیادہ حق ادا کیا۔ انجمن طلبائے اسلام نے پنجاب کے صدر اقبال اظہری، محمد خان انوری سیکریٹری نشر و اشاعت، قاری عطاء اللہ نائب ناظم، رانا لیاقت ناظم لاہور، راؤ صاحب ارتضیٰ اشرفی ناظم اوکاڑا، عبدالرحمٰن مجاہد، سندھ کے حافظ محمد تقی، افضال قریشی، محمد حنیف طیب، علما میں مجاہد اہلِ سنت صاحبزادہ سیّد محمود شاہ گجراتی گرفتار ہوئے اور ضمانت پر رہائی سے انکار کر دیا۔ سخت اذیت میں مبتلا کیے گئے۔ جمعیت علمائے پاکستان پنجاب کے صدر مولانا غلام علی اوکاڑوی، مولانا محمد بشیر چشتی خطیب پنڈی کھیت کو بھی اسیری کی عزت حاصل ہوئی۔

ان مشاہیر کے علاوہ سینکڑوں خطبا اور ائمہ قید و بند میں ڈالے گئے۔ باوجود حکومت کے تشدد اور پابندی کے ان علما نے آوازِ حق بلند کیا۔ لاؤڈ اسپیکر پر پابندی لگ گئی۔ مسجدوں میں جلسے سے روک دیا گیا۔ پورے ملک میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہو گیا۔ اور اس طرح ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری شدت سے روکا گیا۔ لاٹھی چارج ہوا۔ آنسو گیس چھوڑی گئی۔ گولیاں چلیں، پنجاب کے بعض علاقوں میں خود ایس. پی. او. ڈی، ایس. پی نے گولیاں چلائیں۔ چالیس کے قریب افراد نے راہِ حق میں جام شہادت نوش کیا۔ یہ تمام کام باہر ہو رہے تھے اور اندر حکومت مشورے کر رہی تھی۔ تین روز کے کام میں مسلسل تین مہینہ لگایا گیا۔ اس اثنا میں بھٹو صاحب نے بلوچستان کا دورہ کیا، وہاں کے غیور بلوچ اور پٹھانوں نے قادیانیوں کے متعلق اپنے ردِّ عمل کا اظہار کیا تو بھٹو صاحب نے فوری طور پر ایک تاریخ مقرر کر دی۔ وہ غالباً اگست ۱۹۷۴ء کی کوئی تاریخ تھی لیکن بعد میں یہ تاریخ بدل دی گئی اور ۷ رستمبر ۱۹۷۴ء فیصلہ کی آخری تاریخ مقرر کی گئی۔ علما، طلبا اور عوام نے جو عظیم جدو جہد کی اس کے نتیجہ میں اراکین قومی اسمبلی بھٹو صاحب سمیت اس مسئلہ کو عامۃ المسلمین کی خواہشات کے مطابق حل کرنے کو تیار ہو گئے۔

### اسمبلی کی کارروائی:

یہ مسئلہ ۳۰ رجون ۱۹۷۴ء کو دو قراردادوں کی شکل میں اسمبلی میں پیش ہوا۔ ایک قرارداد عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر جو یقین نہیں رکھتا اور ان کے بعد کسی دوسرے کو نبی یا مصلح تصور کرتا ہے ان کی حیثیت کا تعین کیا جائے۔

دوسری قرارداد مولانا شاہ احمد نورانی ممبر قومی اسمبلی پارلیمانی لیڈر جمعیت علمائے پاکستانی جنرل سیکریٹری متحدہ حزب اختلاف قومی اسمبلی و صدر جمعیت علمائے پاکستان اور صدر ورلڈ اسلامک مشن نے حزب اختلاف کے بائیس افراد کی دستخط سے، جو بعد میں ۳۷ کی تعداد ہو گئی پیش کی۔ اس قرارداد پر نیشنل عوامی پارٹی کے افراد نے بھی دستخط کیے۔ مولانا غلام غوث ہزار دی اور مولوی عبدالحکیم

(دیوبندی مکتبہ فکر) نے حزبِ اختلاف کی اس قرارداد پر دستخط نہیں کیے۔

**قرار داد کا متن:**

ہرگاہ کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نیز ہرگاہ کہ نبی ہونے کے اس جھوٹے اعلان میں بہت سی قرآنی آیات کو جھٹلانے اور جہاد کو ختم کرنے کی اس کی کوششیں اسلام کے بڑے بڑے احکامات کے خلاف غداری تھی۔ نیز ہرگاہ کہ وہ سامراج کی پیداوار تھا اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا۔ نیز ہرگاہ کہ پوری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار چاہے وہ مرزا غلام احمد مذکور کی نبوت کا یقین رکھتے ہوں یا اسے اپنا مصلح یا مذہبی رہنما کسی صورت میں بھی گردانتے ہوں دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ نیز ہرگاہ کہ ان کے پیروکار چاہے انھیں کوئی بھی نام دیا جائے مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کر کے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ نیز ہرگاہ کہ عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس میں جو مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں ۶-۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء کے درمیان منعقد ہوئی اور جس میں دنیا بھر کے تمام حصوں سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفد نے شرکت کی، متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانی اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے، جو کہ ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروائی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار انھیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے، مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تاکہ اس اعلان کو مؤثر بنانے کے لیے اور اسے جمہوریۂ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔

قرارداد پر مندرجہ ذیل افراد نے دستخط کئے:

(۱) مولوی مفتی محمود (۲) مولانا شاہ احمد نورانی (۳) مولانا سیّد محمد علی رضوی (۴) چودھری ظہور الٰہی (۵) مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری (۶) پروفیسر غفور احمد (۷) مولانا عبدالحق (کوڑہ خٹک) (۸) سردار شیر باز خاں مزاری (۹) مولانا ظفر اللہ انصاری (۱۰) صاحبزادہ احمد رضا قصوری (۱۱) مولانا صدر الشہید (۱۲) جناب عمرہ خان (۱۳) سردار شوکت حیات خاں (۱۴) راؤ خورشید علی خاں (۱۵) جناب عبدالحمید جتوئی (۱۶) جناب محمود اعظم فاروقی (۱۷) مولوی نعمت اللہ (۱۸) سردار مولا بخش سومرو (۱۹) حاجی علی احمد تالپور (۲۰) رئیس علی محمد مرتضیٰ (۲۱) مخدوم نور محمد صاحب (۲۲) جناب غلام فاروق۔ (بعد میں قرارداد پر مندرجہ ذیل مزید افراد نے دستخط کیے): (۲۳) نواب زادہ میاں محمد ذاکر قریشی (۲۴) جناب کریم بخش اعوان (۲۵) مہر غلام حیدر بھروانہ (۲۶) صاحبزادہ صفی اللہ (۲۷) ملک جہانگیر خاں (۲۸) جناب اکبر خاں مہمند (۲۹) حاجی صالح خاں (۳۰) خواجہ جمال محمد کوریجہ (۳۱) جناب غلام حسن خاں دھاندلہ (۳۲) صاحبزادہ محمد نذیر سلطان (۳۳) میاں محمد ابراہیم برق (۳۴) صاحبزادہ نعمت اللہ خاں شنواری (۳۵) جناب عبدالسبحان خاں (۳۶) میجر جنرل جمالدار (۳۷) جناب عبدالمالک خاں۔

قرارداد اسمبلی میں غور کے لیے پیش ہونے کے بعد پوری اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔ نیز چند لیڈروں پر مشتمل ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جس میں مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد، مفتی محمود وغیرہ شامل تھے۔ حکومت کی طرف سے عبدالحفیظ پیرزادہ نیز مولانا کوثر نیازی شامل کر دیے گئے تھے۔

۳۰ جون ۱۹۷۴ء کے بعد مسلسل اجلاس شروع ہوئے اور قراردادوں پر غور کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا۔ اسی اثنا میں قادیانی ربوہ گروپ اور لاہوری گروپ کے سربراہوں کا ایک خط کمیٹی میں پیش کیا گیا جس میں مرزا ناصر احمد ربوہ گروپ نے اور لاہوری گروپ کے سربراہ جناب صدرالدین نے اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنے عقائد کی وضاحت کے لیے حاضری کی اجازت مانگی۔ کمیٹی نے خوشی سے اجازت دے دی۔ مرزا ناصر احمد ایک محضر نامہ کے ساتھ جو ۱۸۰ صفحات پر مشتمل تھا، حاضر ہوا۔ خدا کی قدرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دیکھئے جس وقت مرزا نے محضر نامہ پڑھنا شروع کیا اسمبلی کے اس بند ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں اوپر کے چھوٹے پنکھے سے ایک پرندے کا پر جو غلاظت سے بھرا ہوا تھا سیدھا اس محضر نامہ پر گرا جس پر وہ چونک پڑا اور کہا I am disturb۔ سارے اراکین اسمبلی یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز اوپر سے اس طریقہ سے گرے۔

بہرحال محضر نامہ پڑھا گیا اس پر کمیٹی کے علما اور دیگر افراد نے سوال نامہ مرتب کیا اور نیز علمائے ملت کی طرف سے محضر نامہ کا جواب دیا گیا۔

مولوی غلام غوث ہزاروی نے بھی محضر نامہ کا اپنی طرف سے الگ سے جواب دیا۔ سوالوں کی تعداد طویل تھی۔ تقریباً ۷۵ سوالات صرف علاّمہ عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا سیّد محمد علی رضوی اور مولانا ذاکر صاحب کی طرف سے پیش کیے گئے۔ اس کے علاوہ اور سوالات بھی دیگر اراکین کی طرف سے پیش ہوئے اور کل تقریباً ۱۷۰ سوال کیے گئے۔ سوالات لکھ کر اسمبلی کے سیکریٹری کو دیئے گئے اور ان سوالات کو پوچھنے کی ذمہ داری اٹارنی جنرل پاکستان جناب یحییٰ بختیار کے سپرد کی گئی۔

مسلسل گیارہ روز تک مرزا ناصر سے جرح ہوتی رہی اور سوال اور جوابی سوال کیا جاتا رہا۔ مرزا کو صفائی پیش کرتے کرتے پسینہ چھوٹ جاتا اور آخر تنگ ہو کر کہہ دیتا کہ بس اب میں تھک گیا ہوں۔ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پچاس سے

زائد گلاس پانی کے مرزا ناصر روزانہ پیتا تھا۔ اسے یہ گمان نہیں تھا کہ اس طرح عدالتی کٹہرے میں بٹھا کر جرح کی جائے گی۔ سوالات اور جرح کی کارروائی چونکہ ابھی پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ اس لیے اس کی تفصیلات بیان نہیں کی جا سکتی۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اپنا عقیدہ خود اراکین اسمبلی کے سامنے بیان کر گیا اور اس بات کا اعلان کر گیا کہ مرزا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح موعود اور امتی نبی ہے۔ جن اراکین اسمبلی کو قادیانیوں کے متعلق حقائق نہیں معلوم تھے انھیں بھی معلوم ہو گئے اور انھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ دراصل یہ لوگ کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ جس طرح ان قادیانیوں نے قرآن اور حدیث کی توضیح اور من مانی اور تشریح کی ہے اس طرح مرزا ناصر مرزا غلام احمد کے اقوال اور تحریرات کی توجیح بیان کر رہا تھا۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکا بلکہ اور زیادہ ذلیل و رسوا ہوا۔

نئی تہذیب اور تعلیم کے لوگ جو مذہبی مسائل کو ذاتی آزادی شمار کرتے ہیں اور اس مسئلہ کو خالص فرقہ وارانہ شیعہ سنّی یا وہابی کا مسئلہ سمجھتے تھے وہ بھی اس بات کے قائل ہو گئے کہ یہ لوگ ایک الگ مذہب کے پرچارک ہیں۔ یہ اسلام کے خلاف ایک زبردست سازش ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا سیّد محمد علی رضوی اور اس ضعیفی اور علالت میں مولانا ذاکر صاحب نے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ مولانا نورانی نے اس تین ماہ کے دوران تقریباً پنجاب کے علاقہ میں چالیس ہزار میل کا دورہ کیا۔ رات رات بھر دورے کرتے رہے، تقریریں کیں، مسلمانانِ اہلِ سنّت کو حقائق سے روشناس کرایا اور پھر اسمبلی کی کمیٹی اور رہبر کمیٹی میں فرائض انجام دیے۔ سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان کے محضر نامہ کے جواب کی تیاری کی۔ مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا محمد علی رضوی اور مولانا ذاکر نے سوالات اور جوابی سوالات تیار کیے۔ مسلسل مہینوں اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد میں مقیم رہے۔

حکومت اور بالخصوص ذوالفقار علی بھٹو کے رویہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس پوری تحریک کے دوران ان کی جماعت کے لوگوں نے کھل کر عوام کے سامنے نہ کوئی تقریر کی اور نہ عوام کے اس مطالبہ کی حمایت کی، ہاں کمیٹی اور رہبر کمیٹی کو طول دینے کا فریضہ ضرور انجام دیا۔ پورے ملک میں زور شور سے تحریک چل رہی تھی اور حکومت طاقت استعمال کر رہی تھی۔ جگہ جگہ ظلم و تشدد کی پرانی داستان دہرائی گئیں۔ بے گناہ لوگوں پر گولیاں برسائی گئیں۔ جلسہ جلوس پر پابندی عاید کر دی گئی حتیٰ کہ مسجدوں میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی عائد کی گئیں۔

پنجاب تو پنجاب سندھ میں بھی یہی رویّہ اختیار کیا گیا۔ میں خود سندھ میں متعدد شہروں اور قصبات میں گیا، جلسوں سے خطاب کیا۔ بعض جگہوں پر لاؤڈ اسپیکر زبردستی استعمال کیا۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ٹنڈو آدم کی مسجد میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت صوبہ سندھ کا ایک جلسہ تھا جس میں مجھے اور مولانا محمد حسن حقانی ایم پی اے کراچی کو خطاب کرنا تھا۔ رات کو جب ہم لوگ بذریعہ کار ٹنڈو آدم پہنچے تو معلوم ہوا کہ جلسہ فلاں مسجد میں ہے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ بغیر لاؤڈ اسپیکر جلسہ ہو رہا ہے۔ پورے شہر میں مسجدوں کے لوگ ڈر کے مارے جلسہ کرانے سے گھبرا رہے تھے، دہشت گردی کی اس سے بڑی مثال اور کیا مل سکتی ہے۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں گرفتار ہوئے۔ اسلام آباد میں میری موجودگی میں گورنمنٹ ہوسٹل کے سامنے ایک جلوس پر آنسو گیس کی بوتلیں پھینکی گئیں۔ لاٹھی چارج ہوا یہاں تک کہ ہوسٹل کے اندر جہاں اراکین قومی اسمبلی ٹھہرے ہوئے تھے شیل پھینکے گئے۔ یہ واقعہ جمعہ ۷؍جون ۱۹۷۴ء کو دوپہر میں ہوا اور رات بھر بلکہ دوسرے دن تک لوگ ہوسٹل سے باہر نہ نکل سکے اس لیے کہ شیل کے دھوئیں کی وجہ سے آنکھیں کھولنی مشکل ہو گئی تھیں۔

اوکاڑہ، ساہیوال، جہلم، گجرات، سرگودھا، لائل پور میں جو کچھ ہوا وہ حکومت کے کارناموں کا بدترین ریکارڈ ہے۔ سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آخر ختم نبوت کے عقیدہ کی تبلیغ سے کیا نقصان پہنچ رہا تھا۔ اِدھر تو تحریر و تقریر پر پابندی عائد کی گئی۔ اخباروں پر سنسر لگا دیا گیا، اُدھر قادیانیوں کو کھلی چھوٹ تھی کہ وہ جو چاہیں اپنے اخباروں اور رسالوں میں لکھ دیں۔ جس طرح چاہیں سائیکلو اسٹائل مضامین، خطوط کے ذریعے عام مسلمانوں کو بھیجیں اور گمراہ کریں۔ سوادِ اعظم کوئی اشتہار، کتابچہ چھاپے تو اس پر پابندی۔

اس تحریک کی ساری کامیابی کا اعزاز صرف اور صرف عامۃ المسلمین، بالخصوص سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے عقیدہ رکھنے والوں کو جاتا ہے جنھوں نے اپنی انتھک کوششوں سے حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ قابلِ مبارک ہیں ۱۹۵۳ء کے شہدا اور اسیران، علما اور طلبہ۔ قابلِ مبارکباد ہیں وہ شہداء جن کا خون اس تحریک میں بہا۔ قابلِ مبارکباد ہیں وہ لوگ جنھوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کریں۔ اور پھر وہ لوگ جو قومی اسمبلی کے اراکین میں بالخصوص وہ علما جنھوں نے اس میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا اور اپنا دن رات ایک کر دیا۔ حکومت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ مسئلہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے مجبوراً گھٹنے ٹیک دے۔ بالخصوص پنجاب کے عوام نے بھٹو صاحب کے ہوش اُڑا دیے اور جہاں تک معلوم ہوا یہ بھی ہوا کہ پولیس نے اس مسئلہ میں مدد سے معذوری ظاہر کر دی۔

بھٹو صاحب خود کہاں تک اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے تھے اس کا اندازہ ان کی تقریروں سے اور بالخصوص آخری تقریر سے جو اس مسئلہ پر انھوں نے اسمبلی

میں کی، ہوتا ہے۔ آخری تقریر میں انھوں نے اسے مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ قرار دیا۔ پرانا مسئلہ بتایا لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بقا کا مسئلہ ہے۔ ناموس مصطفیٰ کا مسئلہ ہے۔ مسلمانوں کے ایمان اور عقیدے کا مسئلہ ہے۔ ادھر وہ یہ مسئلہ حل کررہے ہیں دوسری طرف سیکولرازم اور سوشلزم کا نام بھی لیتے رہے۔ معلوم نہیں بیک وقت بھٹو صاحب کس کس کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ سوشلزم سوشلزم زبان پر، اخیر وقت تک لڑتے رہے لیکن اتنی بھی ہمّت نہ ہوسکی کہ اس لفظ کو آئین میں جگہ دلاسکیں برخلاف اس کے مولانا شاہ احمد نورانی اور دیگر علما کی جدوجہد سے اسلام کو سرکاری مذہب ماننا پڑا۔ مسلمان کی تعریف آئین میں شامل کرنی پڑی اور قادیانیوں کو غیرمسلم اقلیت قرار دینا پڑا۔

بھٹو صاحب آخر وقت تک راضی نہیں ہورہے تھے کبھی اعتراض یہ تھا کہ لفظ قادیانی احمدی نہیں آنا چاہیے، کبھی غلام احمد کے نام پر اعتراض، غرض یہ کہ ۵ر تاریخ یعنی ستمبر ۱۹۷۴ء سے رہبر کمیٹی کے افراد مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد صاحب، مفتی محمود صاحب، عبدالحفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی اور مولا بخش سومرو صاحب، جناب غلام فاروق صاحب اور چودھری ظہور الٰہی صاحب کی میٹنگ بھٹو صاحب کے یہاں شروع ہوئی۔ ۵ر کو دو میٹنگ ہوئی مسئلہ طے نہیں ہوا۔ ۶ر کو دو میٹنگ ہوئی۔ ادھر مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا راولپنڈی میں مسلسل اجلاس ہورہا تھا۔ سارے لوگ فیصلے کے منتظر تھے، پوری قوم لڑنے مرنے کو تیار تھی، پورے ملک کے کونے کونے میں فوج تعینات کردی گئی۔ آخر کار ۶ر ستمبر کا دن گزر کر شب میں تقریباً ۱۲ بجے بھٹو صاحب کی سرکاری قیام گاہ راولپنڈی میں یہ مسئلہ طے ہوا۔ اور ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو چار بجے قومی اسمبلی کے اجلاس میں آئین کی فوری ترمیم منظور کی گئی اور اس روز سات بجے شب میں سینٹ نے اس کی توثیق کردی۔

اب میں آخر میں ان ترامیم کی طرف آتا ہوں جو آئین میں کی گئی ہے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے قراردادوں پر غور کرنے نیز پوری کارروائی مکمل کرنے کے بعد اسمبلی کو متفقہ طور پر مندرجہ ذیل رپورٹ پیش کی:

(الف) پاکستان کے آئین میں حسبِ ذیل ترمیم کی جائے:

(اوّل) دفعہ ۱۰۶ شق ۳ میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے (دوم) دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعہ غیرمسلم کی تعریف درج کی جائے۔

مذکورہ بالا سفارشات کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵- الف میں حسبِ ذیل تشریح درج کی جائے۔

**تشریح:**

کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق (۳) کی تصریحات کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھنے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہٰذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

(ج) کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۲ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتخب قانون اور ضابطے کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں کہ جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔

اس رپورٹ کے بعد قومی اسمبلی میں ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو ساڑھے چار بجے مندرجہ ذیل مسودہ قانون پیش کیا گیا اور متفقہ طور پر منظور کیا گیا:

(ا) مختصر عنوان اور آغاز نفاذ۔

۱. یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

۲. یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

(۲) آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم اسلامی جمہوریہ پاکستان کی دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں لفظ 'اشخاص' کے بعد الفاظ اور قوسین اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) درج کیے جائیں گے۔

آئین کی اس دفعہ میں دراصل غیرمسلم اقلیتوں کو صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی مختص کرنے کا ذکر ہے۔ اس میں عیسائی، پارسی، ہندو بدھ اور اچھوت کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے لیے مختلف صوبوں میں نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔ اچھوتوں سے پہلے قادیانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳. آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم آئین کی دفعہ ۲۶۰ شق (۲) کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی۔ یعنی (۳) جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النّبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔

**بیان اغراض وو جوہ:**

جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے۔ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا یا جو کسی ایسے مدعی نبوت کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔ ❑❑

شرفِ اهلِ سنت علامه محمد عبدالحکیم شرف قادری ☆

# شاہِ ہمدان حضرت امیر کبیر سید امیر علی ہمدانی

شیخ القران مولانا علامہ علی احمد سندیلوی نے ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر کا لکھا ہوا تذکرہ 'امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ تعالیٰ' فراہم کیا، ادارۂ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے ڈائریکٹر آقای مہرداد رخشندہ نے مجلّہ پیغام آشنا کا شمارہ نمبر ۱۴-۱۳ اسلام آباد سے بھیجوایا۔ مولانا محمد اکرام اللہ بٹ نے جامعہ نظامیہ رضویہ کی لائبریری سے 'الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ' کا نسخہ بھجوایا، تب یہ مقالہ موجودہ صورت میں لکھا جاسکا، اس لیے ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں۔ (شرف قادری)

لاہور میں تشریف لاکر ظلمت کدۂ ہند میں شمع اسلام روشن کرنے والے اور اسلام کی ضیا باریوں سے شرک وکفر کی تاریکیوں کو ختم کرنے والے امام الاولیا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں منظوم ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے جس عظیم مفکر نے کہا تھا:

سید ہُجویر مخدومِ اُمَمُ
مَرقدِ اُو پیرِ سنجر را حَرَم
خاکِ پنجاب از دمِ اُو زنده گشت
صبحِ ما از مهرِ او تابنده گشت
پاسبانِ عزتِ امُّ الکتاب
از نگاهش خانۂ باطل خراب

(محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر: جاوید نامہ، مطبع شیخ غلام علی، لاہور، ص:۱۵۸)

اسی شاعر مشرق نے جن کے آبا واجداد کشمیر ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہِ ہمدان کے حضور درج ذیل نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے:

سید السادات، سالارِ عجم
دستِ اُو، معمارِ تقدیرِ اُمَم
تا غزالی درسِ اللّٰه هو، گرفت
ذکر وفکر از دودمانِ اُو گرفت
مرشدِ آن کشورِ مینو نظیر
میرو درویش و سلاطیں را مشیر
خطه را آں شاهِ دریا آستیں
داد علم و صنعت وتهذیب ودیں
آفرید آں مرد، ایرانِ صغیر
باهنر هائے غریب و دل پذیر
یک نگاهِ او کشاید صد گره
خیز و تیرش را بدِل راهے بدِه

ترجمہ: (۱) سادات کے سرادر، عجم کے سپہ سالار کا ہاتھ امتوں کی تقدیر کا معمار تھا۔ (۲) امام غزالی نے جو 'اللہ ہو' کے ذکر کا سبق لیا تھا، تو انھوں نے ذکر وفکر شاہِ ہمدان ہی کے خاندان (بزرگوں) سے حاصل کیا تھا۔ (۳) وہ جنت نظیر خطۂ کشمیر کے مرشد تھے، امیر وغریب اور بادشاہوں کے مشیر تھے۔ (۴) دریا کی طرح فیاض آستین رکھنے والے اُس بادشاہ نے اِس خطے کو علم دیا، فنکاری دی اور تہذیب کے ساتھ دین بھی عطا کیا۔ (۵) اس مردِ باکمال نے عجیب اور دل پذیر صنعتوں کے ذریعے (کشمیر میں) ایک چھوٹا ایران تیار کردیا۔ (۶) ان کی ایک نظر سو گرہیں کھول دیتی ہے، اس لیے اٹھو اور ان کے تیرِ نظر کو دل تک پہنچنے کا راستہ دو۔

اس کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہِ ہمدان صرف ایک صوفی ہی نہیں، بلکہ ظاہری اور باطنی علوم کے جامع، شریعت وطریقت کا مرقع اور بہت ہی بلند نظر اور بلند ہمت مبلغ اسلام تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ہمدان، سیدنا غوث اعظم، داتا گنج بخش علی ہجویری، غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت محبوب الٰہی کی صف کے آفتاب علم وعرفان تھے۔

شاہِ ہمدان ۱۲/رجب ۷۱۳ھ/۱۳۱۳ء کو ہمدان میں پیدا ہوئے، آپ کے مرید اور داماد خواجہ اسحاق ختلانی کے مرید محمد نور بخش نے بیان کیا ہے:

دگر شیخ شیخم که او سیّد است
علی نام واَلُوندیُ المولِد است

دوسری بات یہ ہے کہ میرے مرشد کے مرشد جو سیّد ہیں ان کا نام علی ہے، پیدائش کے اعتبار سے اَلوُندی ہیں، چونکہ ہمدان اَلوُند پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اس لیے آپ کو 'اَلوُندی المولد' کہا ہے، آپ کو 'علیِ ثانی' بھی کہا جاتا ہے۔ شاہ ہمدان حضرت علی کے ساتھ حسبی، نسبی اور نام میں خاص مناسبت رکھتے تھے اس لیے انہیں ''علیِ ثانی'' کہا گیا۔ (امیر کبیر سیّد علی ہمدانی، از ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر، ندوۃ المصنّفین، لاہور، ص ۱۳)

(قدیم شاہراہ جو عراق کی نشیبی زمین (میسوپوٹیمیا) کو ایران کی سطح مرتفع

☆ سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ، لاہور، پاکستان

سے ملاتی ہے، کوہِ اَلوُند کی شمالی ترائی پر ایک بہت قدیم شہر ہمدان واقع ہے، وہ تہران سے جنوب مغرب سے ۱۸۸ میل دور واقع ہے اور اس کی سطح سمندر سے ۵۹۳۰ فٹ بلند ہے، اَلوُند پہاڑ کبھی ابدال واقطاب سے خالی نہیں رہا، مشہور ہے کہ اس کے دامن میں کم وبیش چار سو اولیائے کرام مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ (مقالہ ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی: ایران کی ایک تاریخ ساز شخصیت، مجلّہ پیغام آشنا، شمارہ ۱۳-۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ)

آپ کا سلسلۂ نسب چودہ واسطوں سے حضرت امام حسین تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید شہاب الدین اور والدۂ ماجدہ کا نام سیدہ فاطمہ تھا جن کا سلسلۂ نسب پندرہ واسطوں سے حضرت امام حسن مجتبیٰ تک پہنچتا ہے، یعنی آپ نسبی اعتبار سے 'مجمع البحرین' اور حسنی وحسینی سیّد تھے، حضرت شیخ سید علاء الدولہ سمنانی (م ۷۳۶ھ) آپ کے ماموں تھے۔

شاہ ہمدان کو کھیل کود سے بالکل دلچسپی نہیں تھی، آپ نے بارہ سال کی عمر تک اپنے ماموں سے استفادہ کیا جو اپنے دور کے اکابر اولیا میں سے تھے، قرآن پاک ان کے پاس یاد کیا اور دوسرے علوم بھی ان ہی سے حاصل کیے اس سے زیادہ آپ کی تعلیم کے بارے میں کچھ تفصیل نہیں ملتی، لیکن آپ کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علوم دینیہ کے متبحر عالم تھے۔

## مراحلِ سلوک

اِس کے بعد حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی نے اپنے بھانجے شاہ ہمدان کو شیخ ابوالبرکات علی دوستی کے سپرد کر دیا، شاہ ہمدان نے دیکھا کہ شیخ علی دوستی صبح وشام ذکر کرتے وقت سر ہلاتے ہیں، انھوں نے پوچھا کہ آپ سر کیوں ہلاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں ذکر کرتا ہوں، پھر سوال کیا کہ ذکر کے لیے سر ہلانے کی ضرورت ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں مجھے شیخ محمود مَزدقانی نے اسی طرح ذکر کی تعلیم دی ہے، عرض کیا مجھے بھی اس ذکر کی تعلیم دیں، شیخ علی دوستی نے ذکر کی تعلیم دی، تین ہی دن اس طریقے سے ذکر کیا تھا کہ شاہ ہمدان پر خود فراموشی کی کیفیت طاری ہوگئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ سرکار دو عالم ایک بلند چھت پر تشریف فرما ہیں، چھت پر جانا چاہا تو سید عالم نے فرمایا: بیٹے! فی الحال تم محمود مَزدقانی کے پاس جاؤ، تاکہ وہ تمھیں اس مقام تک پہنچائیں۔ جب وہ مدہوشی کی کیفیت زائل ہوئی تو حضرت مرشد سے عرض کیا کہ مجھے حضرت شیخ محمود مَزدقانی (م ۷۶۶ھ) کی خدمت میں لے جائیں، شیخ علی دوستی ان کے پاس لے گئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

''اگر مخدوم بننے کے لیے آئے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، میں سر کے بل حاضر ہوں، مجھے آپ کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔'' (کیونکہ شیخ مزدقانی حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے) اور اگر خادم بن کر حاضر ہوئے ہو تو خانقاہ میں جھاڑو دینے والے اور باتھ روم صاف کرنے والے سیاہ فام غلام کے جوتے سیدھے کرنے پڑیں گے، تب آپ مقصد تک پہنچ سکیں گے (مقصد یہ تھا کہ تب آپ تکبر اور نفس کے مذموم اوصاف سے نجات پا سکیں گے)

نفسِ انسانی برے اوصاف اور شر کا سرچشمہ ہے، لیکن اگر اس کا تزکیہ ہو جائے تو یہ کام بھی بہت اچھا کرتا ہے، اسی کو تزکیہ کہتے ہیں۔ شاہ ہمدان اعلیٰ خاندان کے چشم وچراغ تھے، ناز ونعم اور خوش حالی میں پلے بڑھے تھے، ان کے نفس کے تزکیہ کے لیے ضروری تھا کہ گھٹیا سے گھٹیا کام ان کے ذمہ لگایا جاتا، چنانچہ ایک امیر زادے سید کو خانقاہ کے جاروب کش کے جوتے سیدھے کرنے کی ڈیوٹی لگائی گئی، سید نے قبول کیا تو ان کو بیعت کیا گیا۔ ایک سال گزر گیا لیکن حضوری کی نعمت حاصل نہ ہو سکی، ایک دن شیخ مزدقانی کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے خاکروب کی ڈیوٹی سپرد کر دیں تاکہ تزکیہ کا کام تو مکمل ہو، انہوں نے فرمایا: ''جمعدار خانقاہ کی لیٹرین صاف کرتا ہے تم تو ابھی اپنے نفس کو بھی ناپسندیدہ اوصاف سے پاک نہیں کر سکے، جاؤ بلند ہمتی اور محنت سے کام کرو تاکہ مقصد حاصل ہو۔''

شاہ ہمدان کی طلب چونکہ صادق تھی اس لیے وہ پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے شیخ نے انہیں زنجیروں میں باندھ کر ایک گڑھے 'چاہِ زندان' میں ڈال دیا، تین مہینے تک ریاضت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر کیا مجال ہے کہ استقامت کے پہاڑ نے اُفّ تک کی ہو، دوسرے مریدین سنا کرتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان الفاظ کے ساتھ مناجات کیا کرتے تھے:

اَلا اَیُّھَا الْمَاْمُوْلُ فِیْ کُلِّ حَاجَۃٍ
رَجَوْتُکَ فَاکْشِفْ ضُرَّ مَابِیْ وَفَاقَتِیْ
اَلا یَا رَجَائِیْ اَنْتَ کَاشِف کُرْبَتِیْ
فَھَبْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَاقْضِ لِیْ کُلَّ حَاجَتِیْ

(ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر: سیّد علی ہمدانی، ندوۃ المصنّفین، لاہور، ص ۲۴)

(اِس تذکرے میں چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہوا ہے (فھب لی ذنوبی واقض حاجتی) راقم نے اس میں وزن کی درستی کے لیے (لی اور کل) کا اضافہ کیا ہے۔ شرف قادری)

اے وہ ذات! جس سے ہر حاجت کی امید کی جا سکتی ہے، میں تجھی سے امید کرتا ہوں تو ہی میری تکلیف اور بے چارگی کو دور فرما۔

اے میرے مرکزِ امید! تو ہی میرے دکھ کو دور کرنے والا ہے، میرے گناہ معاف فرما دے اور میری ہر حاجت پوری فرما دے۔

عبادت و ریاضت کے سلسلے میں ان کی ڈیوٹی لیٹرین کے صاف کرنے پر لگی، شیخ کے استنجا کے لیے ڈھیلے فراہم کرتے، پھر درویشوں کی طہارت کے لیے پانی فراہم کرتے رہے، ایک دن صبح کی نماز اور اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر شیخ علی دوستی نے مریدین کو حکم دیا کہ پتھروں کا ڈھیر یہاں سے اٹھا کر فلاں جگہ منتقل کریں، جب انہوں نے منتقل کر دیا تو حکم دیا اب فلاں جگہ منتقل کریں، غرض اس طرح تیسری اور چوتھی جگہ منتقل کرنے کا حکم دیا، سید علی ہمدانی بھی اسی ٹیم میں شامل تھے، اُنہوں نے از راہ شوخی پوچھ لیا: ان پتھروں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا فائدہ کیا ہے؟

شیخ علی دوستی سید علی ہمدانی کی اتنی ہی تعظیم کرتے تھے جتنی اپنے شیخ علاء الدولہ سمنانی کی، لیکن اس سوال پر جلال میں آ گئے، پاؤں سے جوتا اتار کر سید صاحب کی پشت پر اس زور سے مارا کہ پشت پر نشان پڑ گیا، سید صاحب فرماتے تھے:

''جوتے کا نعل مرے گوشت میں پیوست ہو گیا اور اس کی خوش کن آواز آج بھی میرے کانوں میں پہنچ رہی ہے۔''

پھر شیخ نے جواب دیا: ''فائدہ یہ ہے کہ نافرمان نفوس فرمانبرداروں کے گروہ میں شامل ہو جائیں۔'' (ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سیّد علی ہمدانی، ص: ۲۷)

اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفس کی تربیت اور اصلاح کتنی مشکل ہے، مرید کا کام یہ ہے کہ شیخ عالم باعمل، متبع شریعت اور کامل ہو تو اس کے حضور چون و چرا نہ کرے۔

اس کے بعد سلسلۂ فتوت میں شیخ محمود مزکانی سے بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے، وہ بھی حضرت علاء الدولہ سمنانی کے مرید اور خلیفہ تھے، شاہِ ہمدان کا سلسلۂ بیعت اور سلسلۂ فتوت کبرویہ ہے، یعنی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ تک پہنچتا ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ ہمدان کو ۳۳ حضرات سے ارشاد و تلقین کی اجازت تھی، انھوں نے ان کے نام بھی تحریر کیے ہیں۔

**راقم (شرف قادری) کی سند شاہ ہمدان تک:**

فقیر کو اجازت دی۔ مفتیِ اعظم پاکستان حضور علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری نیز حضرت علامہ شیخ عبدالرحمٰن مراکشی ابن شیخ علامہ عبدالحیٔ کتانی نے، انہیں امام احمد رضا بریلوی نے، انہیں حضرت شاہ آل رسول مارہروی نے، انہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اور انہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے طریقۂ کبرویہ اور خرقۂ خلافت درج ذیل حضرات سے حاصل کیا:

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی، سید عبداللہ شیخ آدم بنوری، شیخ احمد سرہندی امام ربانی، شیخ یعقوب صرفی کشمیری، شیخ حسین خوارزمی، شیخ حاجی محمد بن صدیق ضوشانی، شیخ شاہ علی بیداوزی، شیخ رشید الدین محمد بیداوزی، سید عبداللہ برزش آبادی، شیخ اسحاق ختلانی، سید امیر علی ہمدانی (قدست اسرارہم)

**شاہ ہمدان کی سند نبی اکرم ﷺ تک:**

شیخ ہمدان حضرت سید امیر علی کی سند اس طرح ہے: شیخ محمود مزدقانی، شیخ علاء الدولہ سمنانی، شیخ عبدالرحمان اسفرائنی، شیخ احمد جوزقانی، شیخ علی لالا، عمار یاسر، شیخ نجم الدین کبریٰ شہید، شیخ ابونجیب سہروردی، شیخ احمد غزالی، شیخ ابوبکر نساج، شیخ ابوالقاسم جرجانی، شیخ ابوعثمان المغربی، شیخ ابوعلی الکاتب، شیخ ابوعلی رودباری، شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، امام موسیٰ الکاظم، امام جعفر صادق، امام محمد باقر، امام علی زین العابدین، امام حسین الشہید، اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب، سید المرسلین رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

**سیاحت دنیا:**

شاہ ہمدان نے اپنے شیخ علی دوستی کی وفات کے بعد اپنے مرشد حضرت شیخ محمود مزدقانی سے عرض کیا کہ حد سے بڑھتے ہوئے درد اور ہاتھ سے جاتے ہوئے دل کا کیا علاج ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''سیروا فی الارض'' اور بزرگان دین کی زیارت سے استفادہ کرو۔

شاہ ہمدان نے خود تحریر کیا ہے کہ: وہ 'سراندیپ' میں حضرت آدم علیہ السلام کے نشانِ قدم کی زیارت کے لیے گئے، جب اس کے قریب پہنچے تو سحری کے وقت بہت بڑا واقعہ پیش آیا، اکابر مشائخ کی ایک بڑی جماعت اس درویش کے دیکھنے کے لیے آئی، ان میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ بھی تھے، اس وقت میں نے شیخ سے پوچھا کہ سب سے افضل ذکر کون سا ہے؟ جسے باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے، شیخ نے فرمایا: میں نے اس سلسلے میں وارد ہونے والی تمام خبروں اور صحیح حدیثوں میں غور کیا ہے، وہ عظمت جو میں نے اس تسبیح میں پائی کسی میں نہیں پائی۔

شاہ ہمدان کہتے ہیں کہ جب میری حالت بحال ہوئی تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث میرے دل میں آئی، جس کا ترجمہ ہے:

''دو کلمے جو زبان پر ہلکے (آسان) ہیں ترازوئے اعمال میں بھاری اور اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں: **سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہ استغفر اللّٰہ.** (میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ میں اللہ عظیم کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی معافی مانگتا ہوں)۔''

(ولی اللہ الدہلوی، الانتباہ فی سلاسل الاولیا، ص:۱۲۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخ (اکبر) محی الدین ابن عربی قدس سرہ فتوحاتِ مکیہ میں بیان فرماتے ہیں کہ: جو شخص یہ تسبیح صبح کے وقت سو دفعہ پڑھے اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، مشائخ کی وصیتوں میں یہ بات شامل ہے کہ جو شخص یہ تسبیح ہر روز سو دفعہ پڑھے گا وہ اس کی برکت اور صفائی کا مشاہدہ کرے گا۔ (ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سیّد علی ہمدانی، ص:۶۷-۶۸)

شاہ ہمدان نے تین مرتبہ مشرق سے مغرب تک سفر کیا، بحر و بر کے بے شمار عجائب دیکھے، بعض سفروں میں حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ بھی ان کے ساتھ رہے۔ آپ نے اپنے سفر کے مختلف واقعات بیان کیے، آپ کے سفروں کا مقصد عجائبِ قدرت کا مشاہدہ، اولیاء اللہ کی زیارت اور تبلیغ اسلام تھا، ایک دفعہ آپ اٹھائیس روز کھائے پیئے بغیر چلتے رہے۔

جامع السلاسل اور تاریخ ظہیری میں ہے کہ ایک دفعہ روم میں پادریوں کا علمائے اسلام سے مناظرہ ہوا، اُنھوں نے مطالبہ کیا کہ تمہارے نبی کا فرمان ہے کہ ہماری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو تم میں سے کوئی عالم مردے کو زندہ کر کے دکھائے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا، علما نے چالیس دن کی مہلت مانگی، مدت پوری ہونے سے پہلے شاہِ ہمدان وہاں جا پہنچے، اُنھوں نے فرمایا: ''کوئی مردہ لاؤ'' آپ نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا: ''کھڑے ہو جاؤ'' مردہ زندہ ہو گیا، یہ کرامت دیکھ کر تمام پادری اسلام لے آئے۔ (ایضاً ص:۶۷-۶۸)

شاہِ ہمدان حق گو اور بے باک مبلغ اسلام تھے، ایک طرف علما، امرا اور سلاطین ان کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کرتے تھے، تو دوسری طرف مخالفت کرنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی، وہ خود فرماتے ہیں کہ کئی دفعہ مجھے زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔

ایک دفعہ امیر تیمور (وہی تیمور لنگ جو دنیا کے ظالم ترین لوگوں میں نمایاں مقام رکھتا ہے، جس نے لاکھوں انسانوں کے سروں کے مینار بنوائے تھے) نے آپ کو بلوایا اور جان بوجھ کر اس طرح بٹھایا کہ آپ کی پشت قبلہ کی طرف ہو، پھر اس نے پوچھا کہ آپ کبھی قبلہ کی طرف پشت کر کے نہیں بیٹھتے، آج خلافِ معمول کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک جو تمہاری طرف رخ کرے گا وہ قبلہ کی طرف سے روگرداں ہی ہوگا۔ جواب بڑا تلخ تھا لیکن وہ پی گیا، پھر اس نے پوچھا: سنا ہے کہ آپ حکومت کے حصول کے لیے کوشاں ہیں، آپ نے فرمایا: میں دونوں جہانوں سے بے نیاز ہوں، میرا مقصد صرف اللہ کی ذات ہے، سلطنت کے بارے میں ایک بار میں نے خواب دیکھا تھا کہ ایک لنگڑا کتا آیا اور وہ لے گیا، ساتھ ہی حضرت علی مرتضیٰ کا مقولہ بیان کیا: دنیا مردار ہے اور اس کے طلب گار کتے ہیں۔

غور کیا جائے تو یہ پہلے جواب سے کہیں تند و تیز اور تلخ ہے، تیمور بھی لنگڑا تھا، اگر اس واقعے سے پہلے لنگڑا تھا تو حیرت ہے وہ اس جواب کو کیسے پی گیا؟ شاہ ہمدان کے مریدین اپنے شیخ کے ساتھ کس طرح والہانہ انداز میں عشق کی حد تک محبت کرتے تھے؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے، امیر آرام شاہ، تیمور لنگ کی حکومت میں دخیل اور کرتا دھرتا تھا، اس کے صاحبزادے خواجہ اسحاق حضرت شاہ ہمدان کے جاں نثار مرید تھے، تیمور نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا تو اس وقت وہ اپنے مرشد علی ہمدانی کا عطا کردہ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، تیمور نے پوچھا کیا تم اس کے مرید ہو جو فتنے کا باعث ہے؟ پھر کہنے لگا: یہ عمامہ اتار دو، خواجہ اسحاق نے فرمایا: اگر سر قلم کر دیں تو حاضر ہوں، لیکن میں سید علی ہمدانی کی دستار اپنے سر سے جدا نہیں کر سکتا۔ تیمور نے کہا: تم یا تو دستار سر سے اتار دو، بصورت دیگر دو ہزار قبچاق گھوڑے بطور جرمانہ حاضر کر دو، خواجہ مالدار شخص تھے انہوں نے جرمانہ ادا کر دیا، لیکن مرشد کا عمامہ سر سے نہیں اتارا۔

جس کثرت سے لوگ شاہ ہمدان کے مرید ہو رہے تھے اس سے تیمور کو خطرہ تھا کہ کہیں میرے لیے چیلنج نہ بن جائیں، اس لیے اس نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو حکم دیا کہ وطن چھوڑ دو، ورنہ تہِ تیغ کر دیے جاؤ گے۔

شاہ ہمدان اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر ختلان منتقل ہو چکے تھے، وہاں سے سات سو افراد کے ہمراہ عازمِ کشمیر ہوئے، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان تھا۔

## کشمیر روانگی: پہلی سیاحت میں:

شاہ ہمدان ۷۴۰ھ میں کشمیر میں تھے، پھر ۷۶۰ھ میں دو افراد تاج الدین

اور سید حسین سمنانی کو کشمیر کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا، سید حسین نے کشمیر کی حالت تحریر کی اور بتایا کہ یہاں تیمور کا اثر ورسوخ نہیں ہے چنانچہ آپ کشمیر تشریف لے آئے۔ پہلی مرتبہ ۷۷۴ھ میں پیر پنجال کے راستے تشریف لائے، کچھ عرصہ قیام کے بعد حج کے لیے چلے گئے۔ دوسری مرتبہ ۷۸۱ھ کشمیر تشریف لائے اور اڑھائی سال قیام کے بعد ۷۸۳ھ میں لدّاخ کے راستے ترکستان چلے گئے۔ تیسری مرتبہ ۷۸۵ھ میں کشمیر تشریف لائے، اس دفعہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرے ماہ ذیقعدہ ۷۸۶ھ میں حج کے ارادے سے نکلے اور کشمیر سے پکھلی اور وہاں سے کافرستان کے مقام کنار پہنچے ہی تھے کہ وہیں داعی اجل کا پیغام آ گیا۔ (ایضاً ص: ۶۷-۶۸)

اس زمانے کا کشمیر بڑا وسیع تھا اس میں موجودہ وادیِ کشمیر (آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر) کے علاوہ سابق سرحد اور متحدہ پنجاب کا کچھ حصہ بھی شامل تھا، شاہ ہمدان تشریف لائے تو بادشاہ کے نائب اور ولی عہد قطب الدین نے ان کا استقبال کیا، بادشاہ ان دنوں فیروز شاہ تغلق کے ساتھ برسرِ پیکار تھا، شاہ ہمدان کی کوشش سے نہ صرف فریقین میں صلح ہوگئی بلکہ فیروز شاہ تغلق کی تین بیٹیوں کا نکاح سلطان کے رشتہ داروں سے ہوا۔ (ایضاً ص: ۱۳۳-۱۳۴)

ایک دفعہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹوپیاں بنا کر ذریعۂ معاش اختیار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ آپ نے نہ صرف خود بلکہ اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو اس بابرکت کام پر لگا کر ذریعۂ معاش حاصل کرنے کا حکم دیا، ہندوستان کے سفر کے دوران حضرت شیخ یحییٰ منیری (م ۷۸۲ھ) سے خرقۂ اجازت وخلافت حاصل کیا، نیز عارف باللہ حضرت شیخ محمد اذکانی (م ۷۷۸ھ) سے بھی اجازت حاصل کی۔

جب دنیا کی سیاحت سے اپنے وطن ہمدان واپس آئے تو حضرت شیخ محمد اذکانی کے حکم پر ایک سید زادی سے نکاح کیا۔ (ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی، مجلّہ پیغام آشنا، اسلام آباد، شمارہ ۱۳-۱۴، ص ۵۶)

آپ کی اولاد میں ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے جس کا نکاح آپ کے مرید اور خلیفہ خواجہ اسحاق ختلانی سے ہوا، ایک بیٹے کا تذکرہ ملتا ہے جن کا نام میر محمد ہمدانی ہے۔ (سیدہ اشرف ظفر، ڈاکٹر: سیّد علی ہمدانی، ص: ۱۰۳)

شاہ ہمدان نے بارہ مرتبہ حج وزیارت کی سعادت حاصل کی اور سینتیس ہزار غیر مسلموں کو مشرف باسلام فرمایا۔ (ایضاً ص: ۱۴۵)

کشمیر میں آنے والے تمام بزرگوں میں سید علی ہمدانی سب سے زیادہ کامیاب مبلغ تھے، مسلمانوں کی حالت یہ تھی:

☆ ان کے دلوں میں عقیدۂ اسلام راسخ نہیں تھا۔
☆ ابھی وہ روحِ اسلام سے ناآشنا تھے۔
☆ کئی مسلمان بت خانوں میں بدستور آتے جاتے تھے۔
☆ والیِ کشمیر ابھی تک ہندو عقیدوں کو اپنائے ہوئے تھے۔
☆ بتوں کے آگے تعظیماً جھکتے تھے۔
☆ برہمنوں کا خصوصی احترام کیا جاتا تھا۔
☆ حکمران غیر اسلامی لباس پہنتے تھے اور غیر شرعی امور پر کاربند تھے۔

شاہ ہمدان کی تعلیم وتربیت اور انقلابی کوششوں سے پورا ماحول نورِ اسلام سے جگمگا اٹھا، جگہ جگہ بت خانوں کی جگہ مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر کی گئیں جو نہ صرف اسلامی تعلیم کا مرکز تھیں بلکہ وہاں تعمیلِ اسلام بھی اپنی صحیح شکل وصورت کے ساتھ جلوہ گر تھی، وہاں عابد شب زندہ دار تلاوت قرآن، ادائے نوافل اور ذکر وفکر میں مصروف رہتے تھے۔

سلطان شہاب الدین نے ہندوانہ لباس ترک کر کے ترک بادشاہوں کی طرح لمبا چغہ پہننا شروع کر دیا، سلطان نے دو حقیقی بہنوں کے ساتھ نکاح کر رکھا تھا جو نصِ قرآنی کے مطابق قطعاً حرام ہے، شاہِ ہمدان کے ارشاد پر اُس نے بڑی بہن کو رہا کر دیا۔

شاہ ہمدان کی کوششوں سے مدارس، شفاخانے، خانقاہیں اور مسجدیں تعمیر کی گئیں سات سو افراد آپ کے ساتھ کشمیر آئے تھے ان میں علما بھی تھے، صوفیہ بھی اور ایرانی ہنر، فن اور آرٹ کے ماہرین بھی تھے، چنانچہ انھوں نے کشمیر میں کئی ایرانی صنعتوں کو رواج دیا، شال بافی کی صنعت ختم ہونے والی تھی آپ کی توجہ اور سلطان قطب الدین کی توجہ سے اس کا احیا ہوا، ٹوپیاں بنانے کا چلن ہوا، ایرانی نقاشی، تعمیراتی فن کو اِس جگہ فروغ ملا بلکہ ایرانی زبان اور ثقافت مُلکی زبان اور ثقافت پر اثر انداز ہوئی۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا:

داد علم وصنعت وتہذیب ودیں
آفرید آں مرد ایرانِ صغیر

بلتستان میں تبلیغ اسلام کا کام حضرت شاہ ہمدان کے ہاتھوں انجام پایا، آپ تین مرتبہ کشمیر تشریف لے گئے، اسی دوران دو مرتبہ بلتستان بھی تشریف لے گئے، وہاں بدھ مت کا دور دورہ تھا، شاہ ہمدان کی بھرپور جدوجہد سے بدھ مت کا خاتمہ ہوگیا، پہلے آپ نے سکردو کو مرکزِ تبلیغ بنایا، وہاں مسجد تعمیر کی، پھر دوسری ریاست شگر میں پہنچے وہاں اس وقت ''راجہ غوری تھم'' کی

حکومت تھی، آپ کی کوشش سے راجہ نے اسلام قبول کرلیا۔

(مولانا محمد ناشاد، مجلّہ پیغام آشنا، شمارہ ۱۳-۱۴، ص:۵۶)

بلتستان میں آپ کو اولین مبلغ اسلام تسلیم کیا جاتا ہے، آپ نے ۷۸۳ھ میں یہاں پہلی مسجد ''چقچن خپلو'' کے مقام پر بنوائی، اس کے بعد سولتور، مگبہ، تکشی، کھری ڈانگ، دمودلہ، چھابدنجی اور رامبور یک میں مسجدیں تعمیر کروائیں، جنہیں لوگ ''مساجد حضرت امیر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں بھرونجی کی مسجد کی اندرونی دیواروں پر اپنے دست مبارک سے سورۂ مزمل اور دوسری سورتیں جلی حروف سے لکھیں۔ (ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی، مجلّہ پیغام آشنا، شمارہ ۱۳-۱۴، ص:۵۶)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ آج ہماری کوششیں نتیجہ خیز کیوں نہیں ہیں؟ غیرمسلموں کا اسلام لانا تو دور کی بات ہے، فسق و فجور اور معصیت میں مبتلا افراد بھی راہ سنت و ہدایت پر آنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ ہم نے نہ تو ارباب ولایت سے رابطہ کر کے فیضانِ نظر حاصل کیا، نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سنت کے مطابق عمل کیا اور نہ ہی ریاضت کی بھٹی میں سے ہو کر گزرے، اب اگر ہماری نظر اور زبان میں اثر نہ ہو تو کیا تعجب کی بات ہے؟ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا:

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستان کا ملے

شاہِ ہمدان فرماتے ہیں:

''ہر وہ ریاضت جو زمانۂ ماضی کے مشائخ نے کی ہے وہ میں نے بھی کی ہے، ان ریاضتوں کے اسرار نے مجھ پر اثر کیا ہے یا نہیں، تاہم دنیائے اسرار کے بادشاہ سے امید ہے کہ ان ریاضتوں کو میرے پیروکاروں میں اخلاص کے ساتھ ظاہر فرمائے گا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: مبارک ہے وہ جس نے تیری پیروی کی۔'' (ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سیّد علی ہمدانی، ص:۱۹۳، بحوالہ: خلاصۃ المناقب)

ایک دفعہ شاہ ہمدان نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کسی کتاب میں پڑھا کہ انھوں نے ستر دن تک کچھ نہیں کھایا، آپ نے اپنے آپ کو آزمایا اور ایک سو ستر دن کچھ کھائے پئے بغیر گزار دیئے۔ اِس کے باوجود ان میں تکبر نام کی کوئی چیز نہیں تھی، ایک دفعہ فرمایا:

واللہ! پچاس سال ہوئے ہیں کہ میں نے اختیاری طور پر استراحت نہیں کی اور نہ ہی اپنا پہلو زمین پر رکھا ہے، اس تمام محنت و مجاہدہ کے باوجود اپنے آپ کو نہایت کمتر اور فرومایہ سمجھتا ہوں، اب بھی میرا حال یہ ہے کہ:

ہنوز خود را از ہیچ سگے بہتر نمی دانم

ابھی تک میں اپنے آپ کو کسی کتے سے بہتر نہیں جانتا۔ (ایضاً ص:۱۹۳)

شاہِ ہمدان نے مسلسل سفر، تبلیغ وارشاد اور عبادت وریاضت میں رہنے کے باوجود تصانیف کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو ستر بیان کی گئی ہے۔

**چند تصانیف کے نام درج ذیل ھیں:**

(۱) **ذخیرۃ الملوک** (مطبوعہ بہاولپور پریس، لاہور) اس کے اردو، لاطینی، ترکی اور فرانسیسی زبانوں کے علاوہ کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں، اس کے دس ابواب ہیں اور یہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۲) **مشارق الاذواق**: شیخ ابن فارض مصری (م ۶۳۲ھ) کے مشہور قصیدہ 'خمریہ میمیہ' کی عارفانہ شرح ہے، اس قصیدے کا مطلع ہے:

شَرِبْنَا عَلٰی ذِکْرِ الْحَبِیْبِ مُدَامَةً
سَکِرْنَا بِهَا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّخْلَقَ الْکَرَمُ

''ہم نے محبوب کے ذکر کے ساتھ ایسی شراب پی جس کا ہمیں انگور کی بیل کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نشہ ہو گیا۔''

(۳) **رسالہ ھمدانیہ**: کسی شخص نے اعتراض کیا کہ ہر چیز کا جاننے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، بندہ کیسے ''ہمہ دان'' ہوسکتا ہے؟ اس رسالے میں اس سوال کا جواب دیا ہے۔

(۴) **ذکریہ**: عربی میں ذکر کی اہمیت پر مشتمل۔

(۵) **دہ قاعدہ**: حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے عربی رسالہ ''**الاصول العشرۃ**'' کا خلاصہ۔

(۶) **مَوَدَّةُ الْقُرْبٰی**: (عربی) آیۂ کریمہ، قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی'' کی تفسیر میں اس موضوع پر ۱۱۷۶ احادیث مبارکہ درج کی ہیں۔

(۷) **خواطریۃ**: شیطانی وسوسوں اور دلوں کی قسموں کا بیان۔

شاہ ہمدان کی شان میں علامہ اقبال کے چند اشعار اس سے پہلے نقل کیے جاچکے ہیں، ان کے بعد علامہ نے جاوید نامہ کے تقریباً چھ صفحات پر شاہ ہمدان سے مختلف سوال کیے ہیں، جن کے جوابات شاہِ ہمدان نے دیئے ہیں، یہ جوابات اسی کتاب 'خواطریۂ' سے ماخوذ ہیں، علامہ نے

روحانی یا تخیلاتی طور پر عالم بالا کا سفر کیا اور مختلف لوگوں سے گفتگو کی، ان میں سے ایک شاہ ہمدان بھی ہیں۔

(۸) الانسان الکامل: وحدۃ الوجود کی تعلیمات اور انسان کامل کے اوصاف

(۹) حل الفصوص: شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کا خلاصہ

(۱۰) شرح اسماء حسنیٰ: اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مبارکہ کی شرح

(۱۱) طالقانیہ: (عربی) حقیقتِ تصوف اور حروف تہجی کے معانی۔

(۱۲) مرادات دیوان حافظ: دیوان حافظ اصطلاحات کی صوفیانہ شرح

(۱۳) اورادِ فتحیہ: اس کا مختصر تعارف آیندہ صفحات میں ملاحظہ ہو۔

(ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی، مجلّہ پیغام آشنا، شمارہ ۱۴-۱۳، ص: ۶۲-۶۶)

**اوراد فتحیہ:**

اورادِ فتحیہ ایک ہزار چار سو اولیائے کاملین کے بیان کردہ وظائف کا مجموعہ ہے، ان میں سے ہر ایک کا فیض ایک کلمہ میں پوشیدہ ہے، جو شخص حضور قلب اور پابندی کے ساتھ اسے پڑھے گا، وہ اس کی برکت اور صفائی کا مشاہدہ کرے گا اور ایک ہزار چار سو اولیائے کرام کی ولایت سے حصہ پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اگر ان اوراد کے فضائل اور خواص بیان کیے جائیں تو گفتگو لمبی ہوجائے گی کیونکہ شاہ ہمدان نے اپنی زندگی میں تمام روئے زمین کا تین مرتبہ دورہ کیا تھا اور ایک ہزار چار سو اولیائے کاملین سے ملاقات کی تھی، ان میں سے چار سو اولیائے کرام کی 'سلطان محمد خدائے بندہ' کی مجلس میں زیارت کی تھی، رخصت کے وقت ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنے کپڑے کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیں، ان ٹکڑوں کو شاہ ہمدان نے اپنے کپڑے پر رکھ کے سی دیا، جس طرح سندھی اجرک ہوتی ہے۔ وہ اذکار جو اُن کی زبان پر بے اختیار جاری ہوئے تھے ان کو جمع کیا تو مجموعہ 'اورادِ فتحیہ' تیار ہوا۔

شاہِ ہمدان سے روایت ہے کہ جب میں بارہویں دفعہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے گیا تو اس سفر میں مسجد اقصیٰ پہنچا، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے دیکھا کہ آپ میرے پاس ہی تشریف لا رہے ہیں، میں اُٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آپ نے آستین مبارک سے ایک مجموعہ کا غذات نکالا اور اس درویش کو فرمایا: ''خُذْ هٰذِهِ الْفَتْحِيَّةَ'' (یہ فتحیہ لے لو)۔

جب میں نے آپ کے دستِ اقدس سے یہ مجموعہ لیا اور اسے دیکھا تو وہ یہی اوراد تھے اس لیے ان کا نام ''اورادِ فتحیہ'' رکھا گیا۔

اورادِ فتحیہ کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان وہ دعا پڑھے جو ابن عباس نبی اکرم سے روایت کرتے ہیں یعنی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رَحْمَةً (آخر تک)

اس کے بعد فجر کے دو فرض ادا کرے، اور جب سلام پھیرے تو اورادِ فتحیہ کے پڑھنے میں مشغول ہوجائے (اور اگر نماز فجر کے بعد متصل نہ پڑھ سکے تو دن کے گیارہ بجے سے پہلے پہلے پڑھ لے) یہ سب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریر کا ترجمہ ہے۔

**طریقۂ ختم سید علی ہمدانی:**

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی) کے ہاتھ کی تحریر دیکھی ہے انہوں نے 'میر سید علی ہمدانی کے ختم' کا طریقہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ انسان آدھی رات کو اُٹھے وضو تازہ کرکے دو رکعت نفل ادا کرے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پندرہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد ایک ہزار مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھے، اس کے بعد ایک ہزار مرتبہ پڑھے ''یَا خَفِیَّ الْاَلْطَافِ اَدْرِكْنِیْ بِلُطْفِکَ الْخَفِیِّ (اے مخفی مہربانیوں والے! اپنی مخفی مہربانی کے ساتھ میری امداد فرما) اور ایک ہزار بار یَا بُدُّوْحُ، پڑھ کر سر جھکا لے، مراقبہ کرے اور دیکھے کہ عالم غیب سے کیا دکھائی دیتا ہے؟ فارغ ہوکر دو رکعت نفل میر سید علی ہمدانی کے ایصالِ ثواب کے لیے پڑھے۔

(شاہ ولی اللہ، محدثِ دہلوی، الانتباہ فی سبی الاولیا، ص: ۱۲۲، ۱۲۶)

**شاہِ ہمدان کا مذہب**

اعیان الشیعہ کے مؤلف ڈاکٹر محمد معین نے حافظ شیریں سخن صفحہ ۱۳۱ میں اور ڈاکٹر صفا نے تاریخ ادبیات ایران ۳/۱۶۷ میں شاہ ہمدان کو صوفیہ امامیہ میں شمار کیا ہے، قاضی نور اللہ شوستری نے انہیں مجالس المؤمنین صفحہ ۳۱۲ میں شیعہ قرار دیا ہے۔

اس کی تائید میں شاہ ہمدان کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں، جو انہوں نے حضرات اہل بیت کرام اور حضرت علی مرتضیٰ کی شان میں کہے ہیں، لطف کی بات یہ ہے کہ نور اللہ شوستری نے تو ان کے ماموں حضرت علاء الدولہ سمنانی کو بھی شیعہ قرار دیا ہے، اسی لیے ملک الشعرا بہار نے کہا کہ قاضی نور اللہ شوستری 'شیعہ تراش' یعنی اچھے بھلے اہل سنت و جماعت کی کانٹ چھانٹ کرکے انہیں شیعہ بنا کر دکھا دیتے ہیں، حالانکہ شاہ ہمدان مذہب شافعی کے پیروکار تھے، نیز وہ اور ان کے ماموں 'سلسلہ کبرویہ' کے مشائخ میں سے

تھے جو حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ اور اس سلسلہ کا شیعہ مسلک سے کوئی تعلق نہیں ہے، سرزمین کشمیر میں شیعہ مسلک شاہ ہمدان کی آمد کے دو سو سال بعد مقبول ہوا ہے، اگر آپ شیعہ ہوتے تو آپ کی آمد کے ساتھ ہی شیعہ مذہب کو فروغ مل جاتا۔

سید مرتضیٰ حسن داعی اور ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں کہ یہ امر قابل توجہ ہے کہ تمام متر صوفی اہل تسنن (اہل سنت) میں سے ہوئے ہیں، نہ کہ شیعہ میں سے۔ (تبصرۃ العلوم فی معرفۃ الانام)

ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر نے اس مسئلے پر بھرپور گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ شاہِ ہمدان اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھتے تھے نہ کہ شیعہ سے۔

(دیکھئے: سید علی ہمدانی صفحہ ۱۵۴ تا ۱۶۸)

ملک محبوب الرسول قادری نے بیان کیا کہ قائد اہلسنّت مولانا شاہ احمد نورانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ سوانح حیات کے باب میں اولیائے کرام میں سے حضرت شاہ ہمدان پر سب سے زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مخالفین میں سے کوئی انہیں شیعہ قرار دینے پر تلا ہوا ہے اور کوئی معتزلی ہونے پر۔

**وفات**

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ تیسری دفعہ کشمیر تشریف لائے تو یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے، حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، کشمیر سے پکھلی گئے، اور وہاں سے کافرستان کے مقام کنار پر تشریف لے گئے اور وہیں انہیں ۶ر ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو رب کریم کا بلاوا آ گیا اور آپ نے جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ یاد رہے کہ حروف ابجد کے حساب سے بسم اللہ شریف کے اعداد بھی ۷۸۶ ہیں آپ کے جسد عنصری کو وصیت کے مطابق کنار سے ختلان منتقل کیا گیا اور بستی کولاب میں آپ کو دفن کیا گیا، یہ ترکستان کی بستی ہے، ان کا مزار تیمور نے بنوایا تھا۔ یہ جمہوریہ تاجکستان کی مشہور زیارت گاہ ہے، آپ کا جسد اقدس پانچ ماہ اور ۱۹ دن کے بعد ۲۵ جمادی الاولیٰ ۷۸۶ھ کو ختلان پہنچا۔ (ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی، مجلّہ پیغام آشنا، شمارہ ۱۳-۱۴، ص: ۶۶) نور الدین اور قاضی نور اللہ شوستری کے بیان کے مطابق تابوت سے اِس قدر خوشبو آ رہی تھی کہ تمام فضا معطر ہو گئی۔ (ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سیّد علی ہمدانی، ص: ۸۵)

**اوراد فتحیه کی اجازت:**

راقم کو درج ذیل حضرات نے اورادِ فتحیہ کے پڑھنے کی اجازت دی اور کوئی شک نہیں کہ اس کے بہت سے فوائد ہیں خاص طور پر باطن کی صفائی کے لیے بہت مفید ہے۔

☆ قدوۃ الاولیاء فی عصرہ حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی قادری مدظلہ العالی گلہار شریف۔ کوٹلی آزاد کشمیر

☆ حضرت صاحبزادہ سید مسعود احمد اشرفی مدظلہ العالی فرزند ارجمند حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہٗ

☆ مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالتواب صدیقی مدظلہ العالی ان کو میاں غلام احمد شرقپوری نے انہیں ان کے والد میاں غلام اللہ شرقپوری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اجازت دی۔

☆ جموں کشمیر کے حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابی قادری کبروی مدظلہ العالی ان کا اجازت نامہ حسبِ ذیل ہے:

فقیر اپنے اسلاف کرام کی عطا فرمودہ اجازت کے مطابق حضرت شرف ملت علامہ (محمد) عبدالحکیم شرف قادری صاحب اور ان کے رفقائے کرام کو اورادِ فتحیہ کے پڑھنے کی اجازت دیتا ہے۔ حق تعالیٰ اس اوراد مقدسہ کے مطابق حضرت موصوف کو بیش از بیش علمی و دینی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور راقم کے لیے باعث مغفرت بنائے۔

فقیر سید محمد اشرف اندرابی قادری و کبروی عفی عنہ

خادم دارالعلوم شاہِ ہمدان۔ پانپور، کشمیر ۲۰۰۵ء

ریاست جموں و کشمیر میں بزرگانِ دین اور خاص طور پر شاہ ہمدان کی برکت سے اکثریت یا رسول اللہ کہنے والے اہل سنت و جماعت کی ہے شاہ ہمدان نے اورادِ فتحیہ میں ۱۷ مرتبہ بصیغۂ خطاب و ندا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ درود و سلام پیش کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر راضی ہونے کے اعلان کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ میں صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ کے ہدایت دینے والے ائمہ ہونے پر راضی ہوں، کیا کوئی شیعہ ہر روز اورادِ فتحیہ پڑھ سکتا ہے؟ جناب سید محمد اشرف اندرابی نے بتایا کہ جموں کشمیر میں اورادِ فتحیہ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بعض لوگوں کو قرآنِ پاک یاد نہیں ہے، لیکن اورادِ فتحیہ یاد ہے، نیز یہ بھی بتایا کہ کوئی شخص کوشش کرے تو چالیس دن میں اس کا حافظ بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اولیائے کرام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پرچم اسلام بلند کرنے اور تعلیمات اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے پھیلانے اور خود ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین □□

ڈاکٹر محمد شریف (علیگ) ☆

# سول سروسز کے امتحانات — تیاری اور طریقۂ کار

ڈاکٹر محمد شریف صاحب رام پور یو پی کے قصبہ سوار کے رہنے والے ہیں۔ ان کا تعلیمی تعلق مدرسہ پس منظر سے ہے۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات سے پہلے M.Thealogy کیا اور بعد میں اسی شعبۂ دینیات سے Ph.D. کی ڈگری بھی حاصل کی۔ انھوں نے گریجویشن مولانا ابوالکلام نیشنل اُردو یونیورسٹی حیدرآباد سے کیا ہوا ہے۔ اے. ایم. یو. میں جب یہ تعلیم حاصل کر رہے تھے، اُسی دوران یہ میرے رابطے میں آئے۔ خیال وفکر میں ہم آہنگی کے باعث ان سے بے حد قریبی تعلقات استوار ہو گئے۔ موصوف مجھے ایک 'سینئر' سے بڑھ کے حقیقی بھائی اور مشیر کی حیثیت سے ماننے لگے۔ اپنے تمام اہم امور میں مجھ سے مشورہ کرنا، مختلف حالات ومعاملات میں میری رائے جاننا اور بعینہٖ اس پر عمل کرنا ان کے روزمرّہ میں شامل ہے۔ میں نے ان کی شخصیت میں بڑی دلکشی پائی۔ مجھے ان کی ذات میں بلند ہمتی، جفاکشی، محنت طلبی، یکسوئی اور عزیمت جیسی بہت ساری خوبیاں نظر آئیں جس سے میں متاثر ہوا۔ طالب علمی کے دوران ہی میں نے ان کو مشورہ دیا کہ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی بلا وقت ضائع کیے آئی. اے. ایس. کی تیاری شروع کرو اور اللہ کا نام لے کے اس میدان میں پوری تیاری کے ساتھ قدم رکھو اور ابھی سے اے. ایم. یو. کوچنگ اینڈ گائیڈنس سینٹر سے بنیادی معلومات حاصل کرتے رہو۔

تعلیم سے فراغت کے بعد موصوف نہ صرف اس باوقار امتحان کی تیاری کے لیے میدانِ عمل میں قدم رکھ چکے ہیں بلکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے علاوہ دہلی کے مختلف رہنمائی کرنے والے مراکز کے رابطے میں ہیں اور دہلی میں رہ کے فی الحال تیاری کر رہے ہیں۔ اس میدان میں عملی طور پر قدم رکھنے کے بعد انھوں نے ذاتی طور پر جو کچھ محسوس کیا اور جو مسائل ومشکلات اور غلط فہمیاں اس راہ میں درپیش آئیں انھیں نہایت خوش دلی اور عزم وہمت کے ساتھ رفع کیا۔ I.A.S. کے امتحان کی تیاری میں بے حد مصروفیت کے باوجود میری خواہش پر دوسرے اُردو خواں مسلم طلبہ وطالبات کی رہنمائی کے لیے پیشِ نظر مضمون ڈاکٹر شریف صاحب نے تحریر فرمایا۔ میں انتہائی صمیم قلب کے ساتھ ان کا ممنون وشکر گزار ہوں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ پیشِ نظر اس رہنما تحریر کو تمام اُن افراد تک پہنچائیں جو سول سروسز کے امتحان کی تیاری میں دلچسپی لیتے ہیں تاکہ ان کا وقت ضائع نہ ہو اور کم سے کم وقت میں اپنے صحیح ہدف کو پا سکیں اور کامیاب ہوں، ساتھ ہی تمام قارئین سے گزارش ہے کہ ڈاکٹر شریف صاحب کے لیے خلوصِ دل کے ساتھ اس امتحان میں کامیابی کے لیے دعا کریں کہ ہماری قوم وملت کا یہ فرد I.A.S. بن کے اپنے دین وملت اور اپنے ملک وقوم کا نام روشن کرے۔ (نوشاد عالم چشتی علیگ)

- **I.A.S** (Indian Administrative Services)
- **I.P.S** (Indian Police Services)
- **I.F.S** (Indian Foreign Services)
- **I.R.S** (Indian Revenue Services)
- **I.R.T.S** (Indian Railway & Treffic Services)
- **I.P.S** (Indian Postal Services)
- **I.A.S** (Delhi & Andman & Nicobar Services)

مذکورہ بالا امتحان جس میں تقریباً ۲۴ عہدے ہیں، اس ملک کا عظیم امتحان ہے جس کی وجہ سے لوگوں کا رجحان بھی بڑھتا جا رہا ہے اور اس امتحان میں حصہ لینے والوں کی تعداد بھی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ سول سروسز کے امتحان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے جو الگ الگ محکموں کے اہم عہدوں پر فائز ہو کر ملک کے انتظامی امور اور امن وقانون کی پاسداری میں ہمہ وقت منہمک رہتے ہیں۔ مثلاً ہر ضلع کا کلکٹر (D.M.) اور ایس پی جس کے وقار اور رتبے کا اثر عوام وخواص میں یکساں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے، کسٹم اور انکم ٹیکس کے عظیم عہدیدار بھی اسی امتحان کے ذریعہ منتخب ہو کر آتے ہیں۔ وزرا اور منسٹروں کے علاوہ جو لوگ چمکتی ہوئی لال بتی لگی گاڑیوں میں سڑکوں پر نظر آتے ہیں وہ لوگ اسی امتحان کے ذریعہ منتخب کیے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے عظیم نمائندے کے طور پر دیگر ممالک میں سفارتی تعلقات (Diplomatic and Strategic Relations) کو بہتر طور پر بحال رکھتے ہیں۔ مزید یہ لوگ غیر ملکوں میں نہ صرف ہمارے ملک کے مفاد کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ وہاں پر کام کرنے والے ہندوستانیوں کی ضرورت پڑنے پر مدد بھی کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ سول سروینٹ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب کوئی سیاسی پارٹی برسرِ اقتدار یعنی پاور میں نہیں رہتی ہے یا کسی بھی وجہ سے ایمرجنسی کا نفاذ ہو جائے تب صدرِ جمہوریہ ہند کی ہدایت کے مطابق ملکی حکومت کو چلانا اور سماج میں نظم ونسق قائم رکھنا ان کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔ بہر حال یہ ملک کا بہت ہی باوقار امتحان ہے جس میں کامیاب ہونے کی چاہت اکثر کے

---

☆ سوار، رامپور، یوپی

دل میں انگڑائیاں لیتی ہیں۔

سول سروسز کا امتحان تین مرحلوں میں ہوتا ہے۔ پہلے مرحلہ کا امتحان جو مئی یا جون میں ہوتا ہے، دو پرچوں پرمشتمل ہوتا ہے، اس کا نتیجہ جولائی کے آخر یا اگست کے شروع میں آجاتا ہے۔ پہلا پرچہ جنرل اسٹڈیز کا ہوتا ہے، اس میں اب ۱۰۰ سوال آرہے ہیں اور یہ پرچہ ۲۰۰ نمبر پرمشتمل ہوتا ہے جس کا نصاب مندرجہ ذیل ہے۔ یہ نصاب انگریزی میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

پہلا پرچہ:

(1) Current events of national and International importance
(2) History of India and Indian national movement.
(3) Indian and world geography physical, social, economic geography of India and the world.
(4) Indian polity and governance, constitution, political system, Panchayati Raj, public policy, right issues etc.
(5) Economic and social development, sustainable development, poverty, inclusion, demographics, social sector, initiatives etc.
(6) General issues on environmental ecology, biodiversity and climate change - that do not require subject specialisation.
(7) General science.

دوسرا پرچہ کردار (Aptittude) کا ہے، اس میں ۸۰ سوال ہوتے ہیں اور یہ بھی ۲۰۰ نمبر پرمشتمل ہوتا ہے۔اس کا نصاب مندرجہ ذیل ہے:

(1) Comprehension
(2) Interpersonal skills including communication skills
(3) Logical reasoning and analytical ability
(4) Decision making and problem solving
(5) General mental ability
(6) Basic numering (numbers and their relations, order of magnitude etc.) (Class X level) Data interpratation (charts, graphics, tables, data sufficiency etc. Class X level)
(7) English language comprehension skills (Class X level)

دوسرے مرحلہ کا امتحان جس کے پیپر عام طور پر اکتوبر میں ہوتے ہیں نو پرچوں پرمشتمل ہوتا ہے۔ دو دو پرچے دو اختیاری مضمون (Optional Subject) سے ہوتے ہیں، جن کی فہرست مندرجہ ذیل درج کی جارہی ہے:

●Agricultre ●Animal Husbandry ●Veterinary Science ●Anthropology ●Botany ●Chemistry ●Engineering ●Commerce and Accountancy ●Economics ●Electrical Engineering ●Geography ●Geology ●History ●Law ●Management ●Mathematics ●Mechanical Engineering ●Medical Sciecne ●Philosophy ●Physics ●Political Science and International Relations ●Psychology ●Public Administration ●Sociology ●Statistics ●Zoology

●Arabic ●Assamese ●Bodo ●Bengali ●Chinces ●Dogri ●English ●French ●Gernam ●Gujrati ●Hindi ●Kanada ●Kashmiri ●Konkani ●Maithili ●Malayalam ●Manipuri ●Marathi ●Nepali ●Oriya ●Pali ●Persian ●Punjabi ●Russian ●Sanskrit ●Santhali ●Sindhi ●Tamil ●Telugu ●Urdu.

نوٹ: مذکورہ زبانوں میں سے اختیاری مضمون کے طور پر کوئی ایک زبان لی جاسکتی ہے دو نہیں، ہاں زبانوں کے علاوہ دو اختیاری مضمون بھی لیے جاسکتے ہیں۔

دو پرچے جنرل اسٹڈیز کے ہوتے ہیں، جن کا نصاب مندرجہ ذیل ہے:

(1) History of Modern India and Indian culture
(2) Geography of India
(3) Constitution of India and Indian Polity
(4) Current National issues and topics of social relevance

دوسرا پرچہ:

(1) India and the world relations
(2) India's economic intraction with the world
(3) Developments in the field of science and technology, I.T. and space.
(4) International Affairs and institutions
(5) Statistical at analysis, graphs and diagrams

ان چھ پرچوں میں سے ہر ایک تین تین سو نمبر پر مشتمل ہوتا ہے۔ ساتواں پرچہ مضمون (Essays) کا ہوتا ہے۔ یہ ۲۰۰ نمبر پر مشتمل ہوتا ہے۔

مذکورہ پرچوں کے علاوہ دو پرچے ایک انگریزی کا اور دوسرا ہندوستانی زبان میں سے کسی ایک کا لازمی ہوتا ہے۔ ہندوستانی زبانیں ۲۲ ہیں، جو آٹھویں شیڈول کے مطابق جوڑی گئی ہیں۔ ان دونوں پرچوں کو صرف پاس کرنا ہوتا ہے، ان کے نمبرات نتیجہ میں نہیں جوڑے جاتے ہیں۔ اس امتحان کا نتیجہ فروری کے آس پاس آتا ہے۔

تیسرا اور آخری مرحلہ انٹرویو (Personality Test) کا ہے۔ یہ ۳۰۰ نمبر پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر مارچ میں ہوتا ہے جس کے تقریباً پندرہ بیس دن بعد ۲۳۰۰ نمبروں پر مشتمل نتیجہ آتا ہے، جس میں طلبہ ۶۰ فیصد نمبر لانے پر یقینی طور پر پاس ہو جاتے ہیں۔

سول سروسز کا امتحان یونین پبلک سروس کمیشن (U.P.S.C.) جو ایک آئینی ادارہ ہے، کے ذریعے کرایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے منتخب لوگ ملک کے عظیم عہدوں پر فائز ہو کر کام کرتے ہیں اور اور اپنے شعبے کی رہنمائی کرتے ہیں۔

سول سروسز کی اہلیت (Elegibility) گورنمنٹ آف انڈیا کے کسی بھی منظور شدہ ادارہ سے بی اے ڈگری ہے۔ جب کوئی طالب علم سول سروسز کے امتحان کی تیاری شروع کرتا ہے یا شروع کرنا چاہتا ہے، تو اس کے سامنے کچھ پریشانیاں آتی ہیں یا اس کے ذہن میں کچھ سوال پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً امتحان کی تیاری کیسے کی جائے؟ کون کون سے اختیاری مضمون چنے جائیں؟ اور ان کی تیاری کے لیے مزید جنرل اسٹڈیز کی تیاری کے لیے کون کون سی کتابیں منتخب کی جائیں؟ اخبار کون سا پڑھا جائے؟ اخبار میں کن کن خبروں کو فوقیت دی جائے؟ وغیرہ۔ یہ وہ سوال ہیں جو تقریباً ہر اُس طالب علم کے ذہن میں آتے ہیں جو سول سروسز کی تیاری شروع کرتا ہے۔ بعض طالب علم کو تو ان سوالوں کے جواب ملنے میں ایک دو سال تک گنوانا پڑ جاتے ہیں اور ایسا عام طور پر ہوتا ہے۔ چونکہ ہر طالب علم جب اس میدان میں آتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ اسی سال امتحان پاس کر لینا ہے۔ جب وہ ان تمام سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہا ہوتا ہے تو اسی دوران کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ ایک سال کی تیاری سول سروسز کو پاس کرنے کے لیے کافی ہے، لیکن سچائی اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسے بھی لوگ مل جاتے ہیں جو یہ سمجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ سول سروسز کی تیاری میں دو پنج سالہ منصوبہ تو بنانا ہی پڑتا ہے۔ چونکہ ابھی تک ہمارا ہی نہیں ہوا ہے۔ دراصل یہ دونوں ہی طرح کے لوگ کچھ غلط فہمیوں میں جی رہے ہوتے ہیں یا اپنی گزشتہ زندگی میں مایوسی کو دیکھ چکے ہوتے ہیں، جن کا شکار کچھ وہ طالب علم بھی ہو جاتے ہیں جو ان حضرات سے مشورہ لیتے ہیں یا وہ طالب علم جو عام طور پر اپنی گزشتہ تعلیم میں کسی وجہ سے کمزور رہے ہوں۔ یہ عام طور پر اس لیے ہوتا ہے چونکہ اکثر طالب علم اپنے اوپر کم اور دوسروں پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ طالب علم اپنے مضمون (Subject) تبدیل کرتے رہتے ہیں اور کچھ اپنی کتابیں۔ نتیجہ کے طور پر دونوں ہی گروپ اپنی گزشتہ پڑھائی کو تقریباً گنوا دیتے ہیں اور اپنی زندگی کا ایک قیمتی عرصہ بھی۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ سول سروسز کے امتحان کی تیاری میں نہ ہی ایک سال اور نہ ہی دو پنج سالہ منصوبہ کی ضرورت ہے۔ بلکہ اگر اس پر عمل منظّم طریقہ سے ہو تو دو سے تین سال کا منصوبہ کافی ہے۔ چونکہ عام طور پر سول سروسز میں جو طلبہ پاس نہیں ہوتے یا بہت دیر سے پاس ہوتے ہیں ان کی ناکامیوں کے پیچھے بہت سی وجوہات ہوتی ہیں، جن میں سے خاص وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

- جس زبان میں وہ لکھتے اور پڑھتے ہیں اس میں اچھی سمجھ نہ رکھنا۔
- کسی بھی چیز کو پڑھ کر اس کو سمجھے بغیر آگے بڑھ جانا۔
- تنقیدی نظریہ سے چیزوں کو نہیں دیکھنا۔
- نئی نئی کتابوں کو منتخب کرنا۔
- معلوماتِ عامہ (جنرل اسٹڈیز) کے ایک ایک مضمون پر کئی کئی کتابوں کو پڑھنا۔
- معیاری کتابوں کو نہ منتخب کرنا۔
- دوسروں پر زیادہ بھروسہ کرنا اور یہ اس لیے ہوتا ہے چونکہ عام طور پر طلبہ کے اندر بڑے امتحان کو پاس کرنے میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے اور یہ اُن طلبہ میں ہوتا ہے جو کسی بھی طرح سے کمزور رہوں۔
- اچھی نگرانی (Guidance) کی کمی۔ اچھے نگراں صرف کوچنگ میں ہی ملتے ہیں، یہ ضروری نہیں۔
- نصاب اور گزشتہ پیپرس اور پیپرس کے پیٹرن کو اچھے سے نہ سمجھنا وغیرہ۔

اب سول سروسز کے امتحان میں پاس ہونے کے لیے ہندی یا انگریزی میں سے کسی ایک زبان میں ماہر ہونا ضروری ہو گیا ہے۔ ویسے پیپرس کے پیٹرن سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی اچھی انگریزی جانتا ہے تو اس کو زیادہ آسانی ہوتی ہے چیزوں کو سمجھنے میں بہ نسبت ہندی کے۔

۲۰۱۱ء اور ۲۰۱۲ء کے ابتدائی (Preliminary) پیپرس میں یہ دیکھا گیا

ہے کہ جن طلبہ نے پیپرس کو انگریزی میں حل کیا ہے ان طلبہ نے جلدی حل کیا اور پیپرس کو زیادہ اچھے سے سمجھا بھی بہ نسبت اُن طلبہ کے جنھوں نے ہندی میں سوالوں کو حل کیا۔

جو طلبہ سول سروسز کی تیاری کرنا چاہتے ہیں یا شروع کرتے ہیں ان کے ذہن میں ایک غلط فہمی یہ بھی رہتی ہے کہ اس کی تیاری کے لیے ۱۶ یا ۱۸ گھنٹے پڑھائی کرنا ضروری ہے جبکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ سچائی یہ ہے کہ اگر کوئی طالب علم ریگولر آٹھ سے دس گھنٹے پڑھائی کرتا ہے اور چیزوں کو اچھے سے سمجھتا ہے تو یہ امتحان پاس کرنے کے لیے کافی ہے۔ چونکہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عام لوگ ۲۴ گھنٹے میں مسلسل آٹھ سے دس گھنٹے ہی کر سکتے ہیں۔

جو طلبہ سول سروسز کے امتحان کو پاس کرتے ہیں وہ غیر معمولی صلاحیت کے مالک نہیں ہوتے بلکہ اکثر عام لوگوں کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ بھی ہے کہ:Practice makes man perfact

۲۰۱۱ء سے ابتدائی (Preliminary) امتحان میں اختیاری مضمون (Optional Subject) کی جگہ کردار (Aptitude) کا پیپر شامل کیا گیا ہے جس کا خاص مقصد یہ ہے کہ اب طلبہ چیزوں کو طوطے کی طرح رٹیں نہیں بلکہ ایک کشادہ ذہن سے سمجھیں، اتنا ہی نہیں بلکہ اب طلبہ کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ جن چیزوں کو پڑھیں تو اس کے مثبت اور منفی اثرات کے ساتھ ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش بھی کریں۔

ابتدائی امتحان کے جنرل اسٹڈیز کے پہلے پرچہ میں بھی دو تین سال سے اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ طلبہ چیزوں کو رٹ کر نہیں سمجھ کر آئیں اور دیکھا بھی یہی جا رہا ہے کہ جو طلبہ چیزوں کو سمجھ کر پڑھتے ہیں وہ طلبہ امتحان میں زیادہ کامیاب ہو رہے ہیں۔

یونین پبلک سروس کمیشن اور حکومت کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان کو ایسے منتظم (Administrators) چاہئیں جو کشادہ ذہن رکھتے ہوں، چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت ان کے اندر موجود ہو، حاضر جواب ہوں، مسائل کو نہ صرف سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں بلکہ ان کو حالاتِ حاضرہ کے مطابق حل کرنے کا ہنر بھی رکھتے ہوں۔ □□

(ڈاکٹر افضل رضا خان اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کی شخصیت میرے قلم کی تعریف کی محتاج نہیں، لیکن پھر بھی میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس مضمون کو لکھنے میں نہ صرف مفید مشوروں سے نوازا بلکہ اس کی اہمیت سے بھی آگاہ کیا۔ ڈاکٹر محمد شریف علیگ)

## بقیہ:— مغرب کی ترقی کے بنیادی اسباب...

جبکہ تیسرا گروہ مغرب کی ہر چیز کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر استعمال سے گریز نہیں کرتا۔ آخر الذکر دونوں طبقہ آرام طلب ہیں جو محنت سے دل چراتے ہیں۔ یہ نہ صرف مذہب کے لیے نقصان دِہ ہیں بلکہ مسلم قوم کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آج بھی جدید علوم وفنون کو غیر دینی سمجھ کر مدارس کے نصاب تعلیم سے خارج رکھنے میں مذہب اسلام کی اشاعت، طلبہ کی کامیابی اور صالح معاشرہ کی تشکیل کا خواب دیکھ رہے ہیں، اگر چہ علم کی دینی و دنیاوی تقسیم کے مضر اثرات سے خود بھی جوجھ رہے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہر محاذ میں ناکامی ہاتھ آ رہی ہے۔

لہٰذا جس طرح یورپ نے قوم مسلم کے مطالعہ کے بعد اپنے لیے ایک نئی راہ تیار کر لی اسی طرح ان تخریبی عناصر کی تشخیص وعلاج اور بیخ کنی کے لیے ضروری ہے کہ معذرت خواہی اور نفرت کے بجائے متحد ہو کر ان کا غائرانہ مطالعہ کریں، پر تشدد احتجاج ومظاہرے اور آتش بازی کے بجائے مؤثر عملی اقدام کریں، لادینی وغیر معتدل فکر ورجحان کی مخالفت کے بجائے ان کی کمزوریوں اور مرضوں کی صحیح تشخیص کر کے مؤثر علاج کریں اور مذہب و سماج سے ہم آہنگ ترقی کی راہیں ہموار کریں۔ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس کی ایک مثال کافی ہے۔ اگر صرف زنا کو حرام قرار دیتے اور اس کا نعم البدل نکاح کی شکل میں پیش نہیں کرتے تو شاید زنا سے بچنا ناممکن ہوتا۔

یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم چیزوں کو محدود ومخصوص نظریہ سے دیکھنے کے بجائے وسیع پیمانے میں لیں۔ مثلاً مشہور فقہی اصطلاح مَنْ لَمْ یَعْرِفُ اَھْلَ زَمَانِہٖ فَھُوَ جَاھِلٌ کو خاص مفہوم میں سمجھنے کے بجائے وسیع مفہوم میں لیا جانا چاہیے۔ چونکہ فقہ شرعی میزان ہے جس میں شعبہائے حیات سے متعلق مذہبی، سماجی، اقتصادی، سیاسی، انفرادی و اجتماعی تمام امور تولے جاتے ہیں۔ مطلب ظاہر ہے کہ ایک مفتی کا جس طرح دینی مسائل سے غیر معمولی واقفیت ضروری ہے اسی طرح سماجی، سیاسی اور اقتصادی وغیرہ مسائل کے اصول وقوانین سے آگاہی اور حالات کی نزاکتوں اور تقاضوں کی معرفت کا ملکہ بھی ضروری ہے۔ اور یہ دو سال کے تربیتی وفتاویٰ نقل کرانے کے کورس سے ممکن نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ علم میں گہرائی، فن میں مہارت، کام میں تجربات، ذہن میں کشادگی، فکر میں وسعت آ جائے نیز مذہب ذریعہ معاش قرار نہ پائے تو بہت سے مسائل ایسے ہی حل ہو جائیں گے۔ □□

نورالنساء بنت ناظر حسین ☆

# امام صاوی کی جلالین پر تنقید

قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ مفسر، قرآن عزیز میں وارد الفاظ کی حقیقت سمجھنے پر قادر ہو اور جانتا ہو کہ اہل لغت نے ان الفاظ کو کن معانی میں استعمال کیا ہے۔ صرف اہلِ لغت کے اقوال معلوم کر لینا کافی نہیں بلکہ یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ لفظ کتاب الٰہی میں کس معنی میں وارد ہوا تھا اور بعد میں اس میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مفسر پر یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ قرآنی الفاظ کی تشریح ان معنی و مطالب کے مطابق کرے جو اس کے زمانۂ نزول میں ان الفاظ سے مراد لیے جاتے تھے۔

اسالیب کلام میں مہارت و براعت بھی مفسر کے لیے ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ کلام بلیغ اور اس کے نکات و محاسن سے آگاہ و آشنا ہو اور جانتا ہو کہ متکلم کا مقصد اس کلام سے کیا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہم کلام الٰہی کا مطلوبہ مقصود پوری طرح نہیں سمجھ سکتے البتہ استطاعت بشری کی حد تک ہم اس کا مفہوم سمجھنے پر قادر ہیں اس کے لیے علم نحو اور معانی و بیان سے مدد لینے کی ضرورت ہے مگر تنہا ان علوم کے جان لینے اور ان کے مسائل و احکام کے فہم و حفظ سے کام نہیں چل سکتا۔

عربی ادب کے درس و مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عرب صحیح عربی بولتے تھے جو کہ نحوی قواعد کے مطابق ہوتی تھی اور ان کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا اور وہ اپنے علاوہ سب کو ''عجمی'' (گونگا) کہتے تھے۔

تفسیر جلالین کے مفسرین (امام جلال الدین سیوطی، امام جلال الدین محلی) کو اگرچہ علوم، فقہ و کلام و اصول و نحو و منطق وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اور وہ فہم و فراست میں اپنی مثال آپ تھے لیکن اس کے باوجود چند ایک جگہوں پر تفسیر کرتے ہوئے امامین نے حد درجہ اختصار سے کام لیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بشری فطرت کے مطابق معدودے چند مقامات پر لغوی و تفسیری حوالے سے ان حضرات سے تسامح بھی ہوا اور ان تسامحات کو امام صاوی کی عمیق نظروں نے تلاش کر کے نہ صرف واضح کیا ہے بلکہ وكان ينبغي له أن يقول اور وكان عليه أن يقول (اور ان پر لازم تھا کہ یہ کہتے) لکھ کر ان کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) امام محلی ایک آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوا لَا تُـقَـدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ . (الحجرات : ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے اپنے آپ کو نہ بڑھاؤ۔ اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

امام محلی اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

في مجادلة أبي بكر و عمر رضي الله عنهما على النبي ﷺ في تأمير الأقرع بن حابس والقعقاع بن معبد . (جلالین:۵۱۵)

امام صاوی اس آیت کی تفسیر پر حاشیہ نگاری کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قوله (على النبي) أولى أن يقول عند النبي.

یہاں امام محلی نے تفسیر کرتے ہوئے ''على النبي'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس کے معنی ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جبکہ بہتر یہ تھا کہ وہ ''عند النبي'' کے الفاظ استعمال کرتے ''عند النبي'' کے معنی ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑ رہے تھے۔

(حاشیہ صاوی، ۴۹۸/۶)

(۲) اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ عزوجل قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ . (الواقعہ:۱۰)

اور سبقت لے جانے والے۔

امام محلی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ والسابقون الى الخير وهم الانبياء یعنی نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ (تفسیر جلالین:۳۴۶)

امام محلی کے اس قول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام صاوی لکھتے ہیں:

(وهم السابقون) الخ. أي الى الايمان بالانبياء عيانا واجتمعوا عليهم وذلك لان المؤمنين الذين اجتمعوا على الانبياء جماعة كثيرة ، والمؤمنين الذين اجتمعوا على رسول الله ﷺ جماعة قليلة بالنسبة لجموع الأمم وهذا لاينافي كون هذه الامة المحمدية ثلثي اهل الجنة . لأن ما هنا فيمن اجتمع بالأنبياء مشافهة اذا علمت ذلك فتفسير المفسر السابقين المتقدم ذكرهم .

امام صاوی لکھتے ہیں کہ امام محلی کا قول ''وهم الانبياء'' مناسب

☆ فیصل آباد (پاکستان)

نہیں ہے کیونکہ السابقون سے انبیاء نہیں بلکہ ان انبیاء پر ایمان لانے والے اہل ایمان مراد ہیں اس لیے کہ گزشتہ زمانوں کے انبیا پر بہت زیادہ گروہ ایمان لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے امتی ان تمام نبیوں کے امتیوں کا تیسرا حصہ ہوں گے۔ اور یہ بات اس حقیقت کے منافی نہیں ہے کہ امت محمدیہ کے افراد جنت کے دو ثلث ہوں گے۔ کیونکہ سابقون سے مراد وہ امتی ہیں جو براہ راست انبیاء پر ایمان لائے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۳۴۸۔ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۲۲۔ سنن نسائی، رقم الحدیث: ۱۱۳۳۹۔ مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۱۲۸۴)

تو مفسر (امام محلی) کو یہ چاہیے تھا کہ وہ کہتے (والسابقون الی الخیر من امة کل نبی) کہ ہر نبی کی امت میں سے حق کے ظہور کے وقت ایمان لانے اور اطاعت کرنے میں سبقت لے جانے والے۔ (حاشیہ صاوی، ۶/ ۲۰۸۸)

(۳) اللہ عزوجل قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلاَ تَجْعَلُواْ اللّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّواْ وَتَتَّقُواْ۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۴) اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم نیکی نہیں کرو گے اور پرہیزگاری اختیار نہیں کرو گے۔

امام سیوطی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ولا تجعلوا اللّٰه﴾ أی الحلف به ﴿عرضة﴾ علةمانعة ﴿لأیمانکم﴾ أی نصبا لها بأن تکثروا الحلف به ﴿أن﴾ لا ﴿تبروا﴾ وتتقوا فتکره الیمین علی ذلک ولیسن فیه الحنث ....الخ

اللہ کو یعنی اس کی قسموں کو (نیکی) سے رکنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ عرضة یعنی "نشانہ" اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے آپ کو بچانے کا ذریعہ بنانا کہ تم اللہ کی زیادہ قسمیں کھاؤ اس نیت سے کہ نیکی نہیں کرو گے اور ڈرو کہ اس طرح قسم مکروہ ہو جائے گی اور اس کے ٹوٹنے پر تمہیں کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ (لہذا سنت پر عمل کرتے ہوئے قسم توڑ دو۔)

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: اذا حلفت علی یمین فرایت غیرها خیراً منها فات الذی هو خیر وکفر عن یمینک یعنی اگر تم کسی کام کی قسم اٹھا لو اور پھر اس سے دوسرا کام نیک معلوم ہو تو وہ نیک کام کر لو اور قسم کا کفارہ ادا کر دو۔

امام صاوی مفسر (امام سیوطی) کے اس قول پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں: (فکان المناسب للمفسر أن یأتی بأو)۔ (الصاوی، ۱/۱۹۰)

امام صاوی امام سیوطی کے مذکورہ بالا جملے پر کہتے ہیں: امام سیوطی کو "بأن تکثروا الحلف به" اس جملے میں "ان" کی بجائے "أو" لانا چاہیے تھا (اس طرح عبارت کا یہ ترجمہ بنتا ہے) یا تم نیکی نہ کرنے کی نیت کے باوجود قسمیں کھاتے ہو۔

(۴) اللہ عزوجل قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ۔ (المؤمنون: ۲۳)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: اے قوم! اللہ کی عبادت کرو (کیونکہ) اس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟

امام محلی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿أرسلنا نوحا الی قومه فقال یقوم اعبدوا اللّٰه﴾ أطیعوا ووحّدوه ﴿ما لکم من اله غیره﴾ وهو اسم ما، وما قبله الخبر ومن زائدة ﴿أفلا تتقون﴾ تخافون عقوبته بعبادتکم غیره۔ (جلالین: ۳۴۳)

ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کی اطاعت کرو اور اس کو ایک مانو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔

"ما لکم من اله غیره" میں "غیره" "ما" کا اسم ہے اور جو اس سے پہلے ہے وہ "ما" کی خبر ہے اور "من" زائدہ ہے۔ کیا تم ڈرتے نہیں ہو، یعنی کسی غیر کی عبادت کے برے انجام سے ڈرتے نہیں ہو؟

امام صاوی امام محلی کی عبارت میں نحوی غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قوله (وما قبله الخبر) أی وهو الجار والمجرور، وما یمشی علیه المفسر طریقة ضعیفة للنحاة وهی جواز اعمال ما عند مخالفة الترتیب بین خبرها و اسمها، اذا کان الخبر ظرفا۔ أو جارا و مجرورا، والمشهور اهمالها حینئذ، فکان المناسب أن یقول وهو مبتدا مؤخر وما قبله الخبر۔

امام صاوی کا کہنا ہے: "وما قبله الخبر" یعنی وہ جار اور مجرور خبر ہے درست نہیں۔ اور مفسر (امام محلی) نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ نحویوں

کے نزدیک نہایت کمزور ہے۔ اور مشار الیہ یہ ہے کہ "مـا" کی خبر اور اسم کے درمیان ترتیب الٹ ہونے پر "مـا" کو عمل میں لانا جبکہ خبر ظرف ہو یا جار مجرور ہو۔ تو مفسر (امام محلی) کو چاہیے تھا کہ یہ کہتے: مبتدا مؤخر اور اس کے ماقبل خبر مقدم ہے

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ امام صاوی ان دو مفسروں کے اقوال پر ایسی رائے پیش کرتے ہیں جو عقل و شرع سے متصادم نہ ہو اور روایت و درایت کی بنا پر بہت اعتماد سے رائے زنی کرتے ہیں۔ (حاشیہ صاوی، ۴/۱۳۶۱)

**(۵) وَلَسَوفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضىٰ .** (الضحیٰ: ۵)

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو (وہ کچھ) عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

امام محلی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: ﴿وَلَسَوفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ﴾ **فی الآخرة من الخيرات عطاء جزيلاً. ﴿فترضىٰ﴾ به فقال النبی ﷺ اذن لا ارضى و واحد من امتى فى النار .** (تفسیر جلالین : ۵۴۵)

آپ کا رب آپ کو آخرت میں بھلائیاں اور اپنی رضا عطا کرے گا۔ تو آپ راضی ہو جائیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا، جب تک میری امت کا ایک فرد بھی آگ میں ہو۔

امام صاوی امام محلی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ بات کہ ﴿ولسوف يعطيك ربك﴾ میں عطاء کا وعدہ فقط آخرت سے متعلق ہے درست نہیں۔ امام محلی کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس کے عموم کو برقرار رکھتے کہ اللہ آپ کو (اتنا زیادہ) عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے یہ صرف آخرت کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ اس کے عموم کا اطلاق دنیا و آخرت دونوں پر ہے، اس وعدہ میں دنیا بھی شامل ہے اور عطائے ربی میں نفس کاملہ بھی۔ احکام کا ظہور اور دین حق کی سربلندی اور اس کے علاوہ وہ کچھ جس کی حقیقت صرف اللہ رب العزت جانتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عطا سے مراد شفاعت ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے: اللہ آپ کو ایک ہزار محل سفید موتی اور مشک سے بنے ہوئے عطا فرمائے گا اور ان کی لمبائی چوڑائی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور مفسر (امام محلی) نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے: "جب تک میرے امتیوں میں کوئی ایک بھی جہنم میں رہے گا تو میں راضی نہ ہوں گا۔" تو اس سے مراد وہ امتی ہیں جو موحد ہیں۔ اور اس سے امت اجابت (وہ امت جو ایمان لا چکی ہو۔) مراد ہے۔ اور اسی چیز کی طرف بعض عارفین نے اشارہ کیا ہے:

**قرأنا فی الضحىٰ ولسوف يعطى**
**فسر قلوبنا ذاك العطاء**
**وحاشا يا رسول اللّٰه ترضىٰ**
**وفينا من يعذب أو يساء**

"ہم نے سورۃ ضحیٰ پڑھی کہ آپ کو (اتنا) دیا جائے گا (کہ آپ راضی ہو جائیں گے) تو ہمارے دل اس عطا پر بہت خوش ہوئے۔ اور (ہمیں یقین ہے) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک ہمارے عذاب والے لوگ رہا نہ ہو جائیں۔" (حاشیہ صاوی: ۶/۴۹۴)

امام صاوی نے امام محلی سے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے مگر ہم واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ اختلاف میں احترام کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ** (البقرۃ: ۲۴۴)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں (کی تعداد میں) تھے (لیکن) وہ موت سے ڈرے۔

امام سیوطی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں: ﴿ألم تر﴾ "کیا تم نے نہیں دیکھا" استفہام تعجب کے لیے ہے۔ ﴿**الی الذين خرجوا من ديارهم وهم ألوف**﴾ ان لوگوں کی طرف جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے۔ وہ چار، آٹھ، دس، تیس، چالیس، ستر ہزار تھے۔ (تفسیر جلالین: ۲۲۳)

امام صاوی کہتے ہیں: مفسر (امام سیوطی) کا قول "الفا" تمییز ہے۔ اور مفسر (امام سیوطی) نے چھ اقوال نقل کیے ہیں اور ان میں آخری تین زیادہ صحیح ہیں کیونکہ "الوف" جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دھائیوں کے بعد پر ہوتا ہے۔ (حاشیہ صاوی، ۴/۱۳۶۱)

اس طرح امام صاوی ہر اس جگہ پر اجمال کی تفصیل بیان فرماتے ہیں جہاں وضاحت اور تفصیل کی ضرورت تھی، اس مقصد کے لیے انہوں نے کہیں کہیں امام محلی اور امام سیوطی سے اختلاف بھی کیا ہے اور ان کی رائے کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے مگر ان کا لب و لہجہ کہیں بھی ادب و احترام سے خالی نہیں ہے۔ □□

تجزیہ

غلام احمد رضا ☆

# مغرب کی ترقی کے بنیادی اسباب اور اقوامِ عالم پر اثرات

قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ کے مطالعہ سے ان کے مختلف اسباب و وجوہات کھل کر سامنے آتے ہیں۔ ان میں ایک سبب مذہب بھی ہے جس کا غیر معمولی رول رہا ہے۔ کچھ قوموں نے اپنے مذہب کو ترک کر کے ترقی کی منزلیں طے کیں جبکہ بعض قومیں ایسی بھی ہیں جنھیں مذہب پر عمل کرنے کی وجہ سے ترقی کی اعلیٰ منزلیں حاصل ہوئیں، اور جب تک مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا اور تبلیغ و اصلاح ان کی زندگی کا حصہ بنا رہا، مصائب و مشکلات ان کے حق میں ترقی کا زینہ ثابت ہوئی ہیں۔ لیکن جوں ہی مذہبی ہدایات و روایت کو پس پشت ڈال کر محض اپنے علم و تجربات اور طاقت کی بنیاد پر ترقی کی راہیں طے کرنا چاہی تو تنزلی ان کا مقدر بن گئی۔ ان میں ایک قوم مسلم بھی ہے جن کا ماضی اتنا تابناک ہے کہ اب تک کسی قوم کو ویسی شاندار تاریخ میسر نہیں ہوئی۔

عام طور پر مسلمانوں کا دورِ ترقی تقریباً نو سو سال شمار کیے جاتے ہیں جو تاریخ میں عہد زرّیں کے نام سے محفوظ ہے۔ البتہ چھوٹی بڑی حکومتیں وسط ایشیا، جنوب مشرقی ایشیا اور وسط و مغربی افریقہ وغیرہ میں بیسوی صدی عیسوی کے اوائل تک قائم رہیں۔ انھیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اول دور: ساتویں صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی تک۔ اس دوران مسلمانوں نے دنیا میں اس وقت کے معروف و غیر معروف تمام علوم و فنون کو یکجا کیا (یہ یورپ کا تاریک ترین دور ہے)

دوسرا دور: تیرہویں صدی سے سولھویں صدی عیسوی تک۔ اس درمیان مسلمانوں نے تمام علوم و فنون کو اکناف عالم میں پھیلایا۔ یہ مسلمانوں کی غیر معمولی ترقی کا دور ہے۔

تیسرا دور: نصف سولھویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک۔ یہ زوال پذیر دور ہے البتہ اس سے قبل ہی سقوطِ بغداد مسلمانوں کی تاریخ میں اہم موڑ ثابت ہو چکا تھا پھر بھی ترقی کی راہیں ختم نہیں ہوئی تھیں اب بھی جاری تھیں۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کے ساتھ مسلمانوں کی ترقی کی راہیں مسدود نظر آتی ہیں۔

دوسری طرف اگر یورپ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو چودھویں صدی عیسوی کے آغاز تک اہلِ یورپ تاریک راہ کے مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی ترقی کے امکانات نظر آنے لگے تھے، ترقی کی راہ میں قدم بھی رکھ چکے تھے۔ لیکن باضابطہ طور پر صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) کے ساتھ ان کی اقبال مندی کا ستارہ طلوع ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم اسلام کو اپنے ماتحت کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ایک مشہور مستشرق مؤرخ فلپ کے حِتّی تحریر کرتا ہے:

"No people in the Middle Ages contributed to human progress somuch as did the Arabians and the Arabic speaking poeple." (History of Arabs, p. 4)

مزید لکھتا ہے۔

"This stream re-diverted into Europe by Arabas in Spain and Sicily, when it to creat the renainsance of Europe. (History of Arabs, p. 307)

مذکورہ اقتباسات سے ثابت ہوتا ہے کہ یورپ کی ترقی مسلمانوں کے کارناموں کا مرہونِ منّت ہے۔ لیکن دونوں قوموں کے عروج میں جو واضح فرق نظر آتا ہے وہ ہے مذہبی تعلیمات پر عمل و سماجی ہدایات و روایات سے انحراف اور مذہب سے بے زاری۔ مسلمانوں کی ترقی میں مذہب و سماج سے ہم آہنگ ملتی ہے، جبکہ یورپ کی ترقی کی بنیاد مذہب سے بے زاری اور سماج سے بغاوت پر رکھی گئی۔ اس کی وجہ اہلیانِ کلیسا کی عقل و جدت پسند رجحان کے ساتھ غیر انسانی سلوک اور پر تشدد مخالفت ہے۔ اہلیانِ کلیسا نے سائنسی رجحانات کو صحیح رُخ دینے کے بجائے ان کے خلاف کفر و ارتداد کے احکام جاری کر کے طرح طرح کی سزائیں متعین کیں۔ حتیٰ کہ بے شمار عقل پسندوں اور دانشوروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیے۔ مارسل لکھا ہے:

''آزاد خیالی اور یورپ کی حکم عدولی کے جرم میں ملیون اشخاص کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ ان کو سر حدِ مرگ تک پہنچنے سے پہلے مرطوب و تاریک گڑھوں میں بند کر دیا جاتا تھا۔ ۱۴۸۱ء سے پہلے اور ۱۴۹۹ء تک یعنی اٹھارہ سال کے اندر اندر 'محکمۂ تفتیش' کے حکم پر ۱۰۲۰ آدمیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۶۸۶۰ آدمیوں کو دو ٹکڑے کر دیے گئے۔ ۹۷۰۲۳ آدمیوں کو شکنجوں میں اتنا کسا گیا کہ آخر کار ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔'' (تاریخ تحولات اجتماعی، جلد دوم، ص ۳-۱۴، بحوالہ مغربی تہذیب کی ایک جھلک)

☆ جامعہ ملیہ اسلامیہ، اوکھلا، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

وکٹر ہیوگو(Hictor Hugo) نے لکھا ہے:

''تاریخ ترقیِ بشر میں حیاتِ کلیسا کو نہیں شمار کرنا چاہیے بلکہ اس کو صفحاتِ تاریخ کے پس پشت قرار دینا چاہیے۔'' (ایضاً)

اہلیانِ کلیسا کے ان انسان سوز کردار کے سبب یورپ میں مذہب بیزاری اور روایتی تہذیب وتمدن کے خلاف نفرت و بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا، اور ان ہی مذہب بے زار ذہنوں کی کاوشوں سے یورپ کی ترقی کی عمارت کھڑی ہوئی جس کی چھت پر چڑھنے والے ہر فرد کو آج بھی مذہب اور روایت پسندی، ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ معلوم ہوتی ہے۔

یہاں مذہب سے متعلق ایک بات کا ذکر ضروری ہے۔ مذہب جہاں بے شمار برکتوں اور خوبیوں کا حامل ہوتا ہے وہیں مذہب تخلیقِ کائنات، نظامِ کائنات اور مقصدِ حیات وغیرہ سے متعلق بنیادی سوالوں کا تشفی بخش جواب اور روحانی سکون فراہم کرتا ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں جن کا حل عقل وسائنس سے ممکن نہیں۔ چونکہ سائنس کیا (What) کا جواب تو دے سکتا ہے لیکن کیوں (Why) کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ یوں ہی روحانی تسکین سائنس وعقل سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں سائنس کی غیر معمولی ترقی کے باوجود بھی یہ مسائل ہمیشہ اُلجھے رہے۔ بے شمار دانشوروں اور فلسفیوں نے اپنے علم وتجربات اور عقلی دلائل کی روشنی میں حل پیش کرنے کی غیر معمولی کوششیں کیں، لیکن ناکام ثابت ہوئے۔ مثلاً کارل مارکس (۱۸۱۸-۱۸۸۳ء) نے کمیونزم کی شکل میں اور چارلس روبرٹ ڈارون (۱۸۰۹-۱۸۸۲ء) نے نظریۂ ارتقا کی صورت میں۔ جان السٹر (۱۹۴۰-۱۹۹۷ء) نے تصورِ میکینزم کے ذریعے، فریڈرچ اینگلس (۱۸۲۰-۱۸۹۵ء) نے مارکسزم کو مزید تقویت پہنچا کر اور سگمنڈ فرائڈ (۱۸۵۶-۱۹۳۹ء) نے علم نفسیات کے سہارے ان مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کیں۔ اس طرح سیکڑوں دانشور انیسویں صدی عیسوی سے قبل قانونِ فطرت و نظامِ الٰہی کا عقلی حل تلاش کر کے تصورِ خالق کائنات کو مٹانے یا مشکوک کرنے کی جدوجہد کی لیکن ناکام رہے بلکہ ان دانشوروں نے حل کرنے کے بجائے مزید الجھا دیے۔

ان مذہب مخالف مفکرین کے افکار ونظریات مذکورہ مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہے لیکن ان مذہب بے زار نظریات کے نتیجہ میں پورا معاشرہ تباہ و برباد ہوگیا، انسان کے اچھے و برے ہونے کا معیار بدل گیا۔ اس سے قبل انسان کے اچھے یا بُرے ہونے کا معیار اخلاق وکردار سمجھا جاتا تھا، اب اس کی جگہ انسانوں کے استعمال نے لے لیا۔ جو آدمی حصولِ مقصد کا ذریعہ ثابت ہو خواہ وہ کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو سماج میں مہذب اور ترقی یافتہ تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ اس کی تازہ مثال امریکہ، اسرائیل، ناٹو، اقوام متحدہ وغیرہ ہیں جنھیں افغانستان، عراق، لیبیا، فلسطین اور پاکستان وغیرہ ممالک میں بے شمار لوگوں کا ناحق خون بہانے کے بعد بھی مرجع دانشوران کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح فلمی اسٹار اور ماڈل اعلیٰ تہذیب یافتہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے بہانے جدید مہلک اشیا کی ایجادات، انواع خورد ونوش میں نشے کا استعمال، ذائقہ کے نام پر الکحل آمیز حرام و نقصان دہ مشروبات ومطعومات کی تجارت اور روز بروز مہنگائی میں ناقابل برداشت اضافہ، سیر وتفریح کے بہانے رقص وسرود، پارٹی کے نام پر نائٹ کلب، انٹرٹینمنٹ کے بہانے ننگی فلموں اور فحش گانوں وغیرہ کی تجارت، 'سیومنی سیورانرجی' کی خوبصورت اصطلاح کی آڑ میں سودی کاربار، اسمارٹ جاب کے نام پر خوبصورت لڑکیوں کا جنسی استحصال، آزادیِ نسواں کے نام پر عریانیت وفحاشیت کی ترغیب، سیلف فریڈیم اور سیلف رائٹ کے ذریعہ سماج ومعاشرہ میں بے راہ روی وغیرہ جیسی تباہ کاریاں سب اسی مذہب بے زار ترقی کا نتیجہ ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے جس کی توثیق تاریخی شواہد سے ہوتی ہے کہ غالب وفاتح قوم کے منفی ومثبت اثرات مفتوحہ علاقہ اور مغلوب قوم کے مذہب وسماج، تہذیب وثقافت، اقتصاد ومعیشت اور سیاست پر پڑنا ناگزیر ہے۔ ہزارہا تدابیر اور کوششوں کے باوجود بھی مغلوب قوم ان کے اثرات کی زد سے بچ نہیں سکتی، بلکہ بسا اوقات ان کی تقلید کو اپنے لیے باعث نجات تصور کرنے لگتی ہیں۔ مثلاً جب مسلمان عروج پر تھے تو دوسری قومیں ان کے مذہب وسماج اور طرزِ زندگی کو اپنانے میں فلاح ونجات سمجھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب وثقافت کو غیر معمولی ترقی ملی۔ اگر اس پس منظر میں یورپ کی مذہب بے زار ترقی کو دیکھا جائے تو زندگی کے تمام شعبوں میں اس کے مثبت ومنفی اثرات صاف نظر آتے ہیں، لیکن مثبت کے مقابلہ میں منفی اثرات اتنے زیادہ ہوئے کہ مسلم مفکرین ومصلحین تین گروہ میں تقسیم ہوگئے۔ اوّل طبقہ دافعین (Defensive) کا، دوسرا طبقہ معذرت پسندوں (Apologists) کا اور تیسرا طبقہ شدت پسندوں (Aggrassives) کا ہے۔ اوّل طبقہ اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق محدود وسائل کے ساتھ مغرب کی تخریب کاریوں کی دفاع میں کوشاں ہے، لیکن انھیں بنیاد پرست یا قدامت پسند یا صلح کلی کہہ کر ان کی حوصلہ شکنی کی بھرپور کوششیں جاری ہیں۔ دوسرا طبقہ معذرت پیش کرنے میں مسلمانوں کی کامیابی تصور کرتا ہے

باقی صفحہ 35 پر

ڈاکٹر شکیل صمدانی ☆

# آخر کار سپریم کورٹ نے انصاف کر ہی دیا

26/ستمبر 2012ء کو سپریم کورٹ نے اشرف بنام اسٹیٹ آف گجرات اور اسٹیٹ آف گجرات بنام یوسف وغیرہ نے یعنی کریمنل اپیل نمبر 482(2002) اور 87-486(2002) و762 تا765 میں ایک ایسا فیصلہ دیا جس سے ملک کے باشندوں کو یقین ہو گیا کہ سیاست چاہے کتنی ہی بے ایمان اور ظالم ہو جائے لیکن عدلیہ بہر حال انصاف ہی پر آمادہ رہتی ہے اور انصاف کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کیس تقریباً اٹھارہ سال پرانا ہے اور جس کا فیصلہ مقررہ عدالت نے 31/جنوری 2002ء کو سنایا، جس میں ایک شخص کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے اور دورانِ تفتیش یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور لوگ جو کہ شراب اور جوئے کا غیر قانی دھندہ کرتے ہیں ان کے پاس غیر قانونی ہتھیار، گولہ، بارود رائفل اور ریوالور وغیرہ موجود ہیں۔ اس اطلاع کی بنیاد پر ان لوگوں کی گرفتاری ہوتی ہے اور بڑی تعداد میں اسلحہ بھی 'برآمد' ہو جاتا ہے۔ الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ یہ سبھی لوگ، جو کہ مسلمان تھے، جگن ناتھ یاترا کے دوران تباہی پھیلانے کے لیے ان ہتھیار کا استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان سبھی لوگوں پر ٹاڈا، آرمس ایکٹ اور دھماکہ خیز اشیا ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کیا گیا۔ یہ ساری کاروائی جون 1994ء میں شروع ہوئی۔ دوران تفتیش 46 عدد AK 56 رائفل، 40 بکسے کارتوس 99 بم اور بڑی تعداد میں گولیاں برآمد ہوئیں۔ عدالت نے 60 لوگوں کے خلاف مقدمہ قائم کیا۔ سات سال کی طویل عدالتی کاروائی کے بعد مقررہ عدالت نے 31/جنوری 2002ء کو اپنا فیصلہ سنایا۔ اور 11 لوگوں کو مجرم قرار دیتے ہوئے سزائیں سنائی۔ عدالت نے 41 ملزمان کو بری کر دیا۔ عدالتی کاروائی کے درمیان 6 ملزمان اللہ کو پیارے ہو گئے اور ایک ملزم فرار ہو گیا۔

اس کیس کی خاص بات یہ رہی کہ پہلی چارج شیٹ 16 دسمبر 1994ء کو 14 ملزموں کے خلاف دائر کی گئی۔ دوسری چارج شیٹ 23 مئی 1995ء کو دو ملزموں کے خلاف دائر کی گئی۔ تیسری چارج شیٹ 17 اپریل 1996ء کو 35 لوگوں کے خلاف۔ چوتھی 20 دسمبر 1996ء کو 11 ملزموں کے خلاف اور پانچویں چارج شیٹ 24 مئی 2000ء کو دو ملزموں کے خلاف دائر کی گئی۔ اس طرح سے کل 62 لوگوں کو چارج شیٹ کیا گیا یعنی صرف چارج شیٹ چھ سال تک دائر کی جاتی رہی اور اس کیس کی تفتیش پورے چھ سال تک چلتی رہی۔

جن لوگوں کو عدالت نے ٹاڈا اور دوسرے قوانین کے تحت سزائیں دیں ان لوگوں نے عدالت عظمیٰ میں اس کے خلاف اپیل دائر کی۔ اسی کے ساتھ ساتھ گجرات حکومت نے بھی اپیل دائر کی لیکن دونوں کی وجوہات الگ الگ تھیں۔ ملزمان نے اپیل اس لیے دائر کی کہ وہ بے قصور ہیں اور ٹاڈا قانون کا صحیح استعمال نہیں کیا تھا جبکہ حکومت گجرات نے اس لیے اپیل دائر کی کہ ملزمان کو جو پانچ، پانچ سال کی سزائیں دیں گئی ہیں وہ ناکافی ہیں اور انہیں بڑھایا جائے۔

سپریم کورٹ کے سامنے مندرجہ ذیل مدّعے تھے:

(1) ڈپٹی کمشنر اے۔ آر سرولیہ نے ایف آئی آر رجسٹرڈ کرنے کے لیے آیا اپنی رضامندی 9 جون 1994ء کو دی تھی یا 11 اگست 1994ء کو دی تھی؟

(2) ایڈیشنل چیف سکریٹری وزارتِ داخلہ نے 15 جون 1994ء کو جو اجازت دی تھی اس کی قانونی حیثیت کیا ہے؟

(3) کیا ضلع ایس. پی کی جگہ ڈپٹی کمشنر اجازت دے سکتا ہے؟

(4) اگر 9 جون 1994ء کو ایف۔ آئی۔ آر درج کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی تو 11 اگست 1994ء کو دوسری اجازت کی کیا ضرورت تھی؟

(5) کیا ٹاڈا کے تحت اقبالیہ بیان آرمس ایکٹ اور دھماکہ خیز اشیا ایکٹ کے لیے بھی اقبالیہ بیان مانا جائے گا؟ اور اگر نہیں مانا جائے گا تو اس کا اثر مقررہ عدالت کے فیصلے پر کیا ہوگا؟

ان دونوں اپیلوں پر سپریم کورٹ نے ستمبر 2012ء کے آخری ہفتہ میں اپنا فیصلہ سنایا۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے کی بنیاد ٹاڈا کے سیکشن 20-A(1) کو بنایا۔ عدالت نے اپنی توجہ اس بات پر مرکوز کی کہ آیا ضلع ایس. پی نے سکشن 20-A(1) کے تحت ٹاڈا کے اندر کیس رجسٹرڈ کرنے کی منظوری دی یا نہیں اور اگر نہیں دی تو کمشنر آف پولیس نے اگر سیکشن (2) 20-A کے تحت اجازت دی تو وہ کس بنیاد پر دی ہے۔ سپریم کورٹ نے پایا کہ ضلع ایس۔ پی نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ صوبائی حکومت نے پہلے تو اس بات کی کوشش کی کہ ضلع ایس۔ پی کے اجازت نامہ

☆ شعبہ قانون، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، موبائل: 09412673691

کو ثابت کیا جائے۔ جب حکومت اور اس کے وکیل اصل اجازت نامہ دکھانے میں ناکام رہے تو انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ڈپٹی کمشنر نے اس کی اجازت دی تھی۔ لیکن وہ اس کا بھی اصل کاغذ دکھانے میں ناکام رہے اورانہوں نے عدالت میں ڈپٹی کمشنر کی اجازت کی فوٹو کاپی دکھا کر اسے گمراہ کرنا چاہا۔ جب عدالت نے اس کی وجہ جاننی چاہی تو یہ بتایا گیا کہ وہ کاپی کھوگئی ہے اور پولیس انسپکٹر برہم چاری نے بتایا کہ وہ اس کی اوریجنل کاپی لیکر سپریم کورٹ گیا تھا اور اسے اپنے سینئر وکیل کو سونپ دیا تھا۔ سینئر وکیل نے یہ کہا تھا کہ سارے کاغذات سپریم کورٹ میں پیش کرنے کے بعد واپس کردئے جائیں گے لیکن ابھی تک ساری کوشش کے بعد بھی اصل کاغذ نہیں مل پایا ہے۔ اس لیے اس کی فوٹو کاپی عدالت میں پیش کی جارہی ہے۔ دورانِ جرح یہ بھی پایا گیا کہ رجسٹر میں باقاعدہ اس کا کوئی اندراج نہیں ہوا ہے۔

عدالت نے اسی بنیاد پر حکومت کی اس دلیل کو خارج کردیا کہ ڈپٹی کمشنر نے سیکشن 20-A(1) کے تحت مقدمہ درج کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ وہ ملزم کی ضمانت کے سلسلے میں اصلی کاغذات لے کر سپریم کورٹ گئے تھے اوراسی دوران اصلی ایف آئی آر کہیں گم ہوگئی لیکن حیرت انگیز طور پر یہ انکشاف ہوا کہ ملزم یوسف لپلپ سپریم کورٹ ضمانت کے سلسلے میں کبھی آیا ہی نہیں اوراس طرح ڈپٹی کمشنر کی یہ بات جھوٹی ثابت ہوئی۔

جب حکومت گجرات کے وکلاء نے یہ دیکھا کہ ان کا کیس کمزور ہو رہا ہے تو انہوں نے کریمنل پروسیجر کوڈ کی دفعہ 465 کا سہارا لیا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی چھوٹی موٹی غلطی ہوجائے تو اس کو بعد میں ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ ضلع ایس۔ پی اور ڈپٹی کمشنر دونوں کا رینک برابر ہوتا ہے اس لیے ضلع ایس۔ پی کی غلطی کو ڈپٹی کمشنر نے ٹھیک کردیا اور ٹاڈا کے تحت ایف آئی آر درج کرنے کی اجازت دے دی۔ عدالت نے یہ مانا کہ مقررہ عدالت کو سیشن کورٹ کے برابر اختیارات حاصل ہیں اور مقررہ عدالت کو کریمنل پروسیجر کوڈ میں دیئے گئے طریقے پر عمل کرنا ہوگا اور اس لیے کرمنل پروسیجر کوڈ کی دفعہ 465 کا سہارا مقررہ عدالت بھی لے سکتی ہے اور کسی کمی/نقص کو دور کرسکتی ہے۔ لیکن عدالت نے یہ واضح کیا کہ دفعہ 465 ہر طرح کی نقص/غلطی کو دور کرنے کے لیے اکسیر نہیں مانی جاسکتی اور ضلع ایس۔ پی یا ڈپٹی کمشنر کی اجازت نہ لینا ایسی کمی ہے جو دفعہ 465 کے ذریعے دور نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک ایسا نقص اور غلطی ہے جو معاملے کی جڑ تک جاتی ہے اور یہ نقص ایسا نہیں ہے جسے عدالت آگے چل کر ٹھیک کر سکے۔

ایک اور دلچسپ بات مقدمے کے دوران نکل کر آئی کہ اگر 9 جون 1994ء کو ڈپٹی کمشنر نے اجازت دے دی تھی تو اگست میں دوبارہ اجازت کیوں مانگی گئی؟ یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جون میں اجازت نہیں دی گئی تھی۔ مقدمہ پہلے درج ہوا اور جب یہ پایا گیا کہ ٹاڈا کے تحت اجازت ضروری ہے تو 11 اگست کو اجازت مانگی گئی۔ یعنی ایک سخت غلطی محکمۂ پولیس کی طرف سے ہوئی جسے بعد میں ٹھیک کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہیں وجوہات کی بنیاد پر عدالت عظمیٰ نے اجازت دینے کی بات کو مسترد کردیا۔

سیکشن 20-A(1) ٹاڈا کے تحت پولیس کوئی بھی کیس بغیر ضلع ایس۔ پی کی اجازت کے درج نہیں کرسکتی اور 20-A (2) کے تحت کوئی بھی عدالت بغیر انسپکٹر آف جنرل آف پولیس یا کمشنر آف پولیس کی اجازت کے درج کیے گئے مقدمہ کو نہیں سن سکتی۔ عدالت نے یہ بھی پایا کہ چونکہ یہ دفعہ ترمیمات کے بعد جوڑی گئیں تھیں کہ اس لیے ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔ مقنّنہ کی نیت صاف ہے کہ ملزمان کو ٹاڈا کے تحت مقدمہ چلانے کے لیے کم سے کم ضلع ایس۔ پی رینک کے آفیسر کی اجازت ضروری ہے۔ عدالت نے اپنے اس فیصلے کے حق میں کئی مشہور سابقہ فیصلوں کا حوالہ دیا، جس میں مختار احمد انصاری (2005ء)، انردھ سنگھ جی (1995)، محمد یونس (1997)، کلپنا تھرائے، (1997) ستہ نارائن (2001) کا حوالہ دیا۔

عدالت عظمیٰ نے یہ پایا کہ نچلی عدالت نے ملزمان کو ٹاڈا، آرمس ایکٹ اور دھما کہ خیز اشیا کے تحت سزائیں سنائیں۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ چونکہ نچلی عدالت نے ملزمان کو پانچ، پانچ سال قید با مشقت کی سزا ان تینوں قوانین کے تحت سنائی ہیں اس لیے اگر ٹاڈا کے تحت سنائی گئی سزا غلط ہے تو عدالت باقی دو ایکٹس کے تحت سنائی گئی سزا کو نہ صرف برقرار رکھے لیکن عدالت نے اس دلیل کو ماننے سے انکار کردیا۔ عدالت نے کہا کہ:

(1) یہ ایسا نقص ہے کہ جو ٹھیک نہیں کیا جاسکتا۔

(2) چونکہ سارے ثبوت ٹاڈا کے تحت اکھٹے کے گئے ہیں اور ساری کارروائی ٹاڈا کے تحت عدالت میں چلی ہے اس لیے آرمس ایکٹ اور دھما کہ خیز اشیا ایکٹ کے تحت سنائی گئی سزا بھی غلط ہے۔

ٹاڈا کے تحت جو بیان پولیس کی تحویل میں دیا جاتا ہے وہ قابلِ قبول ہوتا ہے چاہے وہ کتنی زیادتی اور تشدد کے بعد لیا گیا ہو اور عام حالات میں

ملزم کا کوئی بیان تب تک عدالتیں قبول کرنے کی پابند نہیں ہیں جب تک کہ ملزم اسے عدالت میں نہ قبول کر لے۔ اگر عدالت میں ملزم اپنے پولیس میں دے گئے بیان سے انحراف کرتا ہے تو وہ بیان ہندوستان کے قانون کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ لہٰذا عدالت نے بجا طور پر تینوں ہی قوانین کے تحت دی گئی پانچ، پانچ سال کی سزا کو خارج کر دیا۔

اس لیے عدالت عظمیٰ نے لال سنگھ بنام گجرات (1998) کے اپنے فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جو قانون انتہائی سخت ہے اور جس میں قانون کی بہت سخت شقیں ہیں اور جس میں عام قانون سے ہٹ کر طریقۂ کار بتایا گیا ہے۔ اس کی ہم فراخ دلانہ/ فیاضانہ (Liberally) تشریح نہیں کر سکتے اس کی تشریح اسی سختی کے ساتھ ہونی چاہیے جس سختی کے ساتھ یہ قانون بنایا گیا ہے۔ عدالت عظمیٰ نے یہ پایا کہ یہ نقص ایسا نہیں ہے جو بعد میں ٹھیک کیا جا سکے عدالت نے اس کے علاوہ احمد عمر شیخ بنام یو پی (1996) پرکاش کمار بنام گجرات (2005) کا بھی حوالہ دیا۔

عدالت نے نہ صرف اُن لوگوں کو بری کر دیا جنھوں نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تھی بلکہ ان لوگوں کو بھی بری کر دیا جو غربت و افلاس یا کسی اور مجبوری کے تحت عدالت نہیں آپائے تھے، یعنی عدالت نے انتہائی دیانت داری اور فراغ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے اور ان ملزمان کی مجبوری، جہالت اور کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے بری کر دیا جو کسی وجہ سے عدالت عظمیٰ میں اپیل نہیں دائر کر سکے تھے۔

عدالت نے اپنے تبصرے میں 'گاندھی جی' اور 'مائی نیم از خان' فلم کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ گاندھی جی کے دیش میں 'طریقۂ کار نتیجہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے۔' اگر ٹاڈا کا استعمال غلط طریقے سے کیا گیا تو ملک کے دشمنوں کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا کہ اس کا ناجائز اور غلط استعمال ہو رہا ہے۔ ضلع ایس۔ پی انسپکٹر جنرل آف پولیس اور دوسرے متعلقہ افراد، جو کہ اس قانون کے نفاذ میں شامل ہیں، کو ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ جس سے اس کا غلط استعمال ہو اور کوئی بے گناہ یہ کہنے پر مجبور نہ ہو کہ ''میرا نام خان ہے لیکن میں دہشت گرد نہیں ہوں۔'' عدالت نے ایک اور تبصرے میں کہا کہ 'دہشت گردی کسی کی شخصی آزادی کو سلب کرنے کی معقول بنیاد/ وجہ نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ وہ طریقۂ کار آئین اور قانون کی بنیادوں پر مبنی ہو۔' دالت عالیہ نے انتہائی منطقی اور قانونی بنیادوں پر اس کیس کا فیصلہ کیا اور سارے ہی ملزمان کو بری کر دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ پولیس اور متعلقہ اداروں کو اپنے Obiter سے یہ بھی بتا دیا کہ گو کہ دہشت گردی بہت سنگین جرم ہے اور اسے کسی بھی طرح سے جائز نہیں قراد دیا جا سکتا۔ دہشت گردی پورے ملک میں خوف اور دہشت کا ماحول قائم کرتی ہے۔ فرقہ وارانہ شانتی کو درہم برہم کرتی ہے اور اگر تفتیشی ایجنسیوں نے بروقت کاروائی کر کے قاتلوں پکڑ نہ لیا ہوتا تو ملک میں زبردست تباہی مچتی لیکن ٹاڈا کے استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے حفاظتی اقدامات (Safeguards) کا بھی خیال رکھا جانا چاہیے۔

عدالت کا یہ فیصلہ ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہمارے ملک کا عدالتی نظام کتنا طویل اور صبر آزما ہے کہ جس میں لوگوں کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اور انصاف پانے کے لیے اٹھارہ، اٹھارہ سال کا وقت لگ جاتا ہے۔ اس دوران نہ جانے کتنے ملزمان قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے، ظلم اور زیادتی کا اثر لیتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں۔ فیصلے کو غور سے پڑھنے کے بعد ان وکلاء کے لیے دادِ تحسین نکلتی ہے جنھوں نے ملزمان کی طرف سے مقدمہ لڑا اور سپریم کورٹ کے ان دونوں فاضل جج صاحبان یعنی ایچ۔ ایل دتّو اور چندر مولی کمار پرشاد کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ انھوں نے اپنی لیاقت اور قابلیت کا ایمانداری سے استعمال کرتے ہوئے انصاف پر مبنی فیصلہ دیا اور خاص طور سے اس فیصلے میں انھوں نے 'گاندھی جی' اور 'مائی نیم از خاں' کا نام لے کر پورے ملک کی پولیس اور انتظامیہ کو واضح پیغام دیا ہے کہ دہشت گردی کے نام پر کسی کی شخصی آزادی کو سلب نہیں کیا جا سکتا اور اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے فرقہ پرستوں کے منہ پر قانون کا ایسا طمانچہ رسید کیا ہے جس سے انھیں یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ ہندوستان میں ابھی بھی عدلیہ کی حکمرانی ہے اور سیاست دانوں نے ہو سکتا ہے کہ آئین کی دھجیاں اڑا دی ہوں لیکن ابھی بھی عدالتیں آئین اور قانون کو سختی سے پکڑے ہوئے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ □□

## قلم کاروں سے درخواست

- براہِ کرم مسودہ صاف اور خوشخط لکھیں۔
- سطروں کے درمیان مناسب فاصلہ چھوڑیں۔
- اشعار و اقتباس صحت کے ساتھ نقل کریں۔
- کمپوز کیے ہوئے مسودے کا پروف اچھی طرح دیکھ لیں۔
- ممکن ہو تو مسودہ کے ساتھ سی ڈی یا ای-میل کریں۔
- پتے کے ساتھ اپنا ای میل بھی لکھیں۔

محمد عاشق رضا قادری ☆

# اتباعِ سنت میں کامیابی

اے حیاتِ انسانیت کے طلبگارو! اگر انسانیت کی بقا و جلا بخشی چاہتے ہو، اگر انسانیت کے دستورِ حیات میں بانکپن چاہتے ہو، تو محسنِ اعظم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ ومقدس ترین اور انسانیت آموز زندگی کو نمونہ بنالو۔ اگر عملاً حیاتِ انسانیت کو خوشبودار بنانا چاہتے ہو تو انسانِ کامل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی رُوح پرور خوشبو سے دل کو معطر کرلو۔ اگر بزمِ انسانیت میں چمک دمک دیکھنے کی تمنا ہے تو سیدنا نورِ بشر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ نورانی کی شمعِ فروزاں سے دل کو اُجالا کرلو۔ اگر امن و عافیت کے متلاشی ہو تو پیغمبرِ امن و امان، دونوں عالم کے سلطان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متبرک اداؤں کی چھاؤں میں آ جاؤ، کیوں کہ حقیقی طور پر یہی ایک ایسی بے نظیر ولاجواب ذاتِ منیر ہے کہ جس کی غلامی و اتباع میں انسانیت کی حیات و بقا اور فوز وفلاح ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مگر آج کا ظاہر پرست انسان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور مقدس سنتوں کو چھوڑ کر سائنسداں کے پیچھے چلنے اور اس کی عقل کی غلامی کرنے میں انسانیت کی فلاح سمجھ رہا ہے۔ یہ عقل کا غلام انسان فخرِ کون و مکاں، سرورِ دوجہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مطہرہ و ارشادِ طیبہ کو نظر انداز کر کے سائنس کے عروج وارتقا کو وسیلہ سمجھنے کی نادانی کرتا نظر آرہا ہے، جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنسداں لوہا لکڑی کو ترقی تو دے سکتا ہے مگر انسانیت کو نہیں۔ سائنسداں مادّیات کو تو چمکا سکتا ہے روحانیت کو نہیں۔ سائنسداں انسان کا ظاہر تو ہو سکتا ہے لیکن باطن نہیں۔ سائنسداں انسان کے لیے ظاہری آسانیاں تو پیدا کر سکتا ہے لیکن انسان کی انسانیت کو بقائے دوام اور حیاتِ ضوبار نہیں دے سکتا۔ دیکھیے آج کے سائنسی دور میں انسان ترقی پر ہے مگر انسانیت تنزلی میں ہے۔ آدمی ہواؤں میں پرواز کر رہا ہے مگر آدمیت سسک رہی ہے۔ عصرِ حاضر میں انسان کے لیے ظاہری عیش وعشرت کے بے شمار ساز وسامان موجود ہیں لیکن حقیقی سکون کا فقدان ہے۔

قارئینِ کرام! ذرا آپ غور کیجیے کہ سائنسداں نے موبائل، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ کو ایجاد تو کر دیا اور آپ نے ان چیزوں کو استعمال بھی کرلیا اور ان کے فوائد کو بھی آپ نے سمجھ لیا لیکن ان کے مضر اثرات پر کبھی آپ نے غور کیا کہ آج اکثر و بیشتر لوگ ان چیزوں کا استعمال کس ڈھنگ سے کر رہے ہیں۔ ان چیزوں کے ذریعے اتنی بے حیائیاں پھیل گئی ہیں کہ جن کو صفحۂ قرطاس پر لانے سے میں خود ہی شرمندہ ہوں۔ لہٰذا اگر حقیقی سکون کی سچی تلاش ہے تو حالاتِ حاضرہ کے نام نہاد ترقیوں کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ تہذیب اسلامی کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ یہی وہ مذہبِ اسلام ہے جو پیغام دیتا ہے کہ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاكُمْ خداوندِ قدوس ارشاد فرمایا: ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے، ہم انھیں بھی روزی دیں گے اور تمھیں بھی۔ (کنزالایمان)

اور پھر سورۂ حج میں خدائے لاشریک کا اعلان ہے: فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَاءُ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى.

ترجمہ: ہم نے (اوّل) تمھیں مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے (جو کہ غذا سے پیدا ہوتا ہے) پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے کہ (بعض) پوری ہوتی ہے اور (بعض) ادھوری بھی تا کہ ہم تمھارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں اور پھر ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہیں ایک مقرر میعاد تک۔ (کنزالایمان)

ان مذکورہ بالا آیات سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ تم خدائے تبارک و تعالیٰ کے کمالِ قدرت وحکمت کو جانو اور اپنی پیدائش کے حالات پر نظر کر کے سمجھ لو کہ جو قادرِ برحق بے جان مٹی سے جاندار آدمی بنا دیتا ہے وہ مرے ہوئے انسان کو زندہ کرے تو اس کی قدرت سے کیا بعید!

اب یہاں پر ایک حدیث پاک بھی سماعت فرمالیں، کیونکہ مسئلہ کی نوعیت کو نصِ قطعی مستحکم کرتی ہے جب کہ اسے نصِ ظنی کی تائید و دلائل مزید مستحکم بناتا ہے اور مسائلِ شرعیہ کو سمجھنا سہل ترین ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگوں کا مادۂ پیدائش ماں کے شکم میں چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں خونِ بستہ ہو جاتا ہے، پھر اتنی ہی مدت تک گوشت کی بوٹی کی طرح رہتا ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے جو اس کا رزق اس کی

باقی صفحہ 47 پر

☆ نول پور، ضلع سرلاہی، نیپال، موبائل: 9756118648

سید ظفر اقبال اشرفی ☆

# غالبؔ اور ان کی شاعری

صاحبزادہ سید ظفر اقبال اشرفی بہت ہی متحرک و فعال شخصیت کے حامل ہیں۔ ادبی، سیاسی، فلاحی اور عصری تقاضوں کی تکمیل کرتی ہوئی وہ تمام مثبت سرگرمیاں جو ایک صالح معاشرے کی تشکیل میں معاون ہوتی ہیں، ان تمام سرگرمیوں میں سید ظفر اقبال اپنی دل آویز شخصیت کے ساتھ کسی نہ کسی حیثیت سے مکمل یا غیر مکمل سطح پر موجود رہتے ہیں۔ رفاہی، فلاحی، ادبی، سیاسی، معاشرتی کسی بھی علمی موضوع پر جب چاہیں آپ ان سے تبادلۂ خیال کر لیجیے اور مسئلۂ زیر گفتگو میں ان سے بہت ہی معتدل اور معتبر خیالات سے استفادہ کر لیجیے۔ کتابی چہرہ، گھونگھرالے بال، مسکراتے ہونٹ، تبسم زیر لب، کھلتا قد، چھریرا بدن، عزم سے بھرپور قدم، ان لفظی تصورات سے جو تصور اُبھر کر سامنے آتی ہے اس شخصیت کا نام سید ظفر اقبال اشرفی ہے۔ زیر نظر مضمون ''انسٹی ٹیوٹ آف اُردو کلچر اینڈ لٹریچر'' کے زیر اہتمام ۲۶؍اکتوبر ۱۹۹۷ء کو غالبؔ کی یاد میں سیمینار اور مشاعرہ بمقام بینگر کمیونٹی سینٹر بلیک برن میں پیش کیا گیا۔ (نوشاد عالم چشتی علیگ)

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ ایک عظیم انسان، عظیم شاعر، عظیم مفکر، زمانے کے عظیم نباض اور تہذیب کے ایک عظیم علمبردار بھی تھے۔ غالبؔ کی شاعری ان کی عظیم شخصیت کے اِنہی پہلوؤں کی نہایت حسین اور دل آویز تصویر ہے۔

مرزا غالبؔ کو فارسی زبان سے خداداد مناسبت تھی، تاہم ان کی شہرت اُردو نظم و نثر سے ہوئی۔ اُردو نثر میں اپنے خطوط کے ذریعے غالبؔ نے ایک نیا اسلوب قائم کیا اور اُردو نظم میں قصیدہ اور غزل بلکہ صرف غزل کے ذریعے ایک ایسی تحریر اور فکر ایجاد کی جو آج تک ایک انوکھی خصوصیت لیے ہوئے ہے۔ میرا خیال ہے کہ غالبؔ ایک دُوررس شاعر تھے، جنھوں نے خود اپنی سخنوری کے بارے میں کہا ہے:

ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا اندازِ بیاں اور

غالبؔ نے الفاظ کو ایسی تمکنت بخشی، اشعار کی تراکیب کو ایسی وسعتیں اور گہرائیاں عطا کیں کہ ایک خاص رنگ پیدا ہو گیا اور پکار اُٹھے:

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

رشید احمد صدیقی نے کہا تھا کہ مغلوں نے برِّ صغیر کو تین چیزیں دی ہیں اُردو زبان، غالب کی شاعری اور تاج محل، جن کی ہم آج بلیک برن میں یاد منا رہے ہیں۔

غالبؔ کی سالِ ولادت کے سلسلے میں کافی اختلاف ہے۔ مختلف تاریخیں شائع کی جارہی ہیں۔ صرف تاریخِ ولادت کے تعین کے لیے صفحے کے صفحے لکھے جارہے ہیں۔ کہیں غالبؔ کے لکھے ہوئے رسالے کی اشاعت کی تاریخ کے حوالے سے سنِ ولادت تلاش کیا جارہا ہے، کہیں غالبؔ کے شعر سے اعداد شماری کرکے تاریخِ ولادت مکمل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ادبا مصروف ہیں کہ اشعار اور اشاعتِ رسالہ ہی سے تاریخِ پیدائش کا تعین ممکن ہے۔ مالک رام جو ایک بڑے ادیب ہیں، غالبیات کے ماہر ہیں، مرزا غالبؔ کے فارسی کلام کے ایک شعر سے تاریخِ پیدائش اخذ کرتے ہیں:

تاریخِ ولادتِ من از عالمِ قدس
ہم شورشِ شوق، آمد و ہم لفظِ غریب

'شورشِ شوق' اور 'غریب' دونوں سے ۱۲۱۲ھ برآمد ہوتا ہے اور یہی سالِ ہجری ہے جسے غالبؔ کے سوانح نگار بالاتفاق ان کا سالِ ولادت تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔

مرزا غالبؔ نے نواب علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ: ''میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے بھیجا گیا ہوں۔'' اور پھر آخر میں تمام تر بحث اور تحقیقات، مظہر العجائب اور مختلف خطوطِ غالبؔ کا مطالعہ کرنے کے بعد جنابِ مالک رام نے یہ نتیجہ اخذ کیا اور کہا: ''ہمیں غالبؔ کی تاریخِ ولادت ۸؍رجب ۱۲۱۲ھ ہی ماننا پڑے گی جو ان کے خاندان کی روایت ہے، اس کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۷؍دسمبر ۱۷۹۷ء تھی اور دن چہار شنبہ یعنی بدھ کا دن۔''

دوسرے مفکروں کا کہنا ہے کہ یہ مالک رام کی ذاتی رائے ہوسکتی ہے لیکن اسے مسلمہ طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے اور مضمون کو مزید تقویت دینے کے لیے ۲۷؍دسمبر ۱۷۹۷ء کو ہی تاریخِ ولادت تسلیم کیے لیتے ہیں۔ مقامِ پیدائش دہلی ہے اور تاریخِ وفات ۱۵؍فروری ۱۸۶۹ء ہی ہے۔

مولانا الطاف حسین حالؔی کہتے ہیں کہ: مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کی شاعری اکتشافی نہ تھی بلکہ ان کے حالات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملکہ ان میں فطرت سے ودیعت کیا گیا تھا۔ میرؔ و سوداؔ اور ان کے

☆ چیئرمین: العلم فاؤنڈیشن، یوکے

مقلدین کے کلام میں ایک قسم کے خیالات دیکھتے دیکھتے جی اُکتا جاتا ہے اوراس کے بعد مرزا کے دیوان پرنظر ڈالتے ہیں تو اس میں ہمیں ایک دوسرا عالَم دِکھائی دیتا ہے۔ جس طرح خشکی کا سیاح سمندر کے سفر میں یا ایک میدان کا رہنے والا پہاڑ پر جا کر ایک بالکل نئی اور نرالی کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے اُسی طرح مرزا غالبؔ کے دیوان میں ایک اور ہی سماں نظر آتا ہے۔ یہاں چند اشعار ہم غالبؔ کے دیوان سے ایسے نقل کرتے ہیں جن سے ان کے خیالات کا اچھوتا پن ثابت ہوتا ہے، جس میں اخلاقیات، فطرتِ انسانی اور ترجیحات کے خوبصورت آئینے نظر آتے ہیں:

بس کہ مشکل ہے ہر اِک کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
..................
ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
..................
نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
..................
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مولانا حالؔی کی دریافت 'مضمون کا اچھوتا پن' کو لمبس کی نئی دُنیا دریافت کرنے سے کم نہیں ہے۔ مرزا غالبؔ پرغور کیجیے تو ان کا کلام اوران کے کلام پرغور کیجیے تو غالبؔ بن بلائے سامنے آجاتے ہیں۔

غالبؔ کی شخصیت اوران کی شاعری میں عظمت کا رنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ بہت باوقار معلوم ہوتی ہے۔ اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، وہ سنجیدہ بھی ہے اور سادہ بھی، اس میں گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی، وسعت بھی ہے اور ہمہ گیری بھی، بلند آہنگی بھی ہے اور آہستہ روی بھی۔ ان کی شاعری آئینہ ہے اور آئینہ بھی دِکھاتی ہے، ان کے آہنگ میں اس عہد کی دھڑکنوں کو بھی سنا جا سکتا ہے:

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
..................
آئینہ دیکھ اپنا سا منہ دیکھ کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غرور تھا

پھر فرماتے ہیں:

لے تو لوں سوتے وقت اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہوجائے گا

ایک غزل میں فرماتے ہیں:

نینداس کی ہے دماغ اُس کا ہے، راتیں اُس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں

اس تحقیق کے آخر میں:

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

جدید تحقیقات کی طرف خیالات وتفکرات کی اُڑان جو عصرِ جدید کا طرۂ امتیاز ہے، مرزا کے لیے محض بازیچۂ اطفال ہے۔ فرماتے ہیں:

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اُردو ادب میں مرزا غالبؔ اوراُن کی شاعری نے ایک ایسے فکر کی تخلیق کی ہے جس میں ہماری تہذیبی زندگی کے لالہ کار وتازہ کار رہنے کے امکانات روشن ہوگئے:

ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

مرزا غالبؔ کے فن میں اُردو تاریخِ شعر کے سب دھارے یعنی جذبات نگاری، خیال آرائی، وسعت گری یکجا ہوجاتے ہیں۔ اس سادگی اور بے ساختگی سے جیسے یہ شعر کسی کی شاعری پرکھنے کا فارمولا بن گیا ہو:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کوئی بھی دل رکھنے والا، کیسا بھی ہو، کہیں بھی ہو، غالبؔ کو ہر حال میں اپنا ترجمان اور غمگین پائے گا۔ ان کے احساسات وجذبات تمام انسانوں کے جذبات واحساسات لگتے ہیں۔ نمونے کے طور پر پیش ہیں چند اشعار:

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا
..................
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگِ دل تیرا ہی آستاں کیوں ہو؟
..................
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری فرماتے ہیں کہ: بڑا شاعر الفاظ وقواعد کا پابند نہیں ہوتا۔ یہ الفاظ وقواعد کی ذمہ داری ہے کہ وہ شاعر کے خیال کی پابندی کرے۔ غالبؔ نے اسے اپنے اسٹائل کے سانچے میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

Style یعنی اسلوب ایک یونانی لفظ Stylus سے ماخوذ ہے۔ اس میں نہ صرف پگھلنے کی بلکہ پگھلانے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

علامہ اقبالؔ مرزا غالبؔ کے اندازِ بیاں کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

شاہدِ مضمون تصدق ہے تیرے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دل گُل شیراز پر

فراقؔ گورکھپوری اپنے مضمون 'اُردو غزل' میں لکھتے ہیں کہ: شعر وادب میں ہم آہنگی اور یکجہتی کا لب ولہجہ پیدا کرنے کے لیے فطری طرزِ گفتگو ضروری ہے، لیکن اظہارِ شخصیت کے لیے یہ کافی نہیں۔ یوں اُردو غزل میں ہر صاحبِ طرز اپنی طبیعت اور اپنا مزاج نمایاں کر دیتا ہے، لیکن یہ اس کی غیر معمولی جمالیاتی یا وجدانی شخصیت ہوتی ہے جو بحیثیت شاعر اس نے پیش کی ہے۔ غالبؔ کی شخصیت حرکی، تخلیقی اور تخیلی فکر ووجدان سے تشکیل پائی ہے۔

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرف دار نہیں

اور آخر میں یہ کہہ کر رخصت چاہوں گا کہ غالبؔ ایک غمگین شاعر تھے، ان کے غم میں زیادہ تر غمِ جاناں کو غمِ دوراں اور آپ بیتی کو جگ بیتی بنانے کا ہنر تھا، لیکن ساتھ ہی انھیں عیش کا غم تھا۔ فرماتے ہیں:

کچھ تو دے اے فلک ناانصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

..................

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار

..................

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

آخر کار یہ تہذیب کا پہاڑ، یہ سینکڑوں خطوط اور ہزاروں اشعار کا خالق، فکر وتخیلات کا بحرِ بیکراں، الفاظ جس کے آگے مؤدب کھڑے رہتے تھے، جسے اشعار یا مضامین میں استعمال کر دیں تو سند ہو جائے، ۲؍ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۸۶۹ء کو جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔ انتقال سے چند روز پہلے یہ شعر کہا تھا اور اکثر یہی پڑھتے رہتے تھے:

دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

## بقیہ: ــــاتباعِ سنت میں کامیابی

عمر، اس کے عمل، اس کا شقی یا سعید ہونا لکھتا ہے، پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ قرآن وحدیث میں اولاد کو قتل کرنے سے روکا جا رہا ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ حالاتِ حاضرہ میں بڑے بڑے ذی شعور و ہوشمند اس تباہ کاری میں مبتلا ہیں کہ جوں ہی عورت حاملہ ہوئی آلہ کے ذریعے دِکھوا لیا جاتا ہے کہ مادرِ شکم میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ جیسے ہی معلوم ہوا کہ لڑکی ہے تو دوا یا کسی آلہ کے ذریعہ اس حمل زائل کروا دیا جاتا ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی! کہ یہ لڑکیوں پہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اگر یہ سوچ کر لڑکیوں کو ختم کرتے ہیں کہ اس کو پالنا پوسنا اور شادی کرنی ہوگی اور جہیز کی مانگ کو پوری کرنی ہوگی تو پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ تمھارے لڑکوں کے لیے بیویاں نہیں ملیں گی اور حال یہ ہوگا کہ انسان کی نسل دھیرے دھیرے ختم ہوتی چلی جائے گی۔ جب کہ محسنِ اعظم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "نکاح اس عورت سے کرو جو کثرتِ اولاد جننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔" (بخاری ومسلم)

اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کتنا انوکھا ہے؟ لیکن افسوس صد افسوس! کہ دورِ حاضر کے سائنسدانوں اور نادانوں نے عورتوں کو میدان میں لاکر کھڑا کر دیا اور طرح طرح کا لالچ دے کر کلبوں، ہوٹلوں میں لاکر ڈال دیا اور یہ قانون بنا دیا کہ جو عورتیں پردہ نشین ہوں ان کا کوئی مقام نہیں، اس لیے لباس اتنا چھوٹا کہ عضو چھپانے کی بجائے ننگی ہی دِکھائی دیں۔ ان بے حیا طریقہ کو ان نادانوں نے فیشن اور موڈرن کلچر کے نام سے موسوم کر لیا۔ کہیے! یہ حیوانیت نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ سب کچھ اسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیبہ کی روشنی چھوڑنے سے ہو رہا ہے۔ آج بھی اگر ہم سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سیرتِ طیبہ کو اپنا لیں تو یہ یقینِ کامل ہے کہ ضرور ہمیں کامیابی ملے گی۔ خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو انمول تحفہ سمجھ کر اپنانے کی توفیق بخشے۔ (آمین) □□

(پہلی قسط)

# اتحادِ امت: تفہیم و تجزیہ

جمعیۃ علمائے پاکستان کے سابق جنرل سکریٹری، ممتاز سنی عالم دین اور مشہور سیاسی قائد مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا عبدالستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ کی شخصیت برصغیر کے علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ ضلع میانوالی پنجاب (پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ جمعیۃ علمائے پاکستان میں قائد اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ والرضوان کے ساتھ بحیثیت جنرل سکریٹری ایک طویل عرصے تک رفیقِ سفر رہے۔ پاکستان کے وفاقی مذہبی وزیر بھی رہے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں ایم ایس ایف (مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن) مسلم لیگ کی ذیلی طلبہ تنظیم کے بہت ہی متحرک کارکن بھی رہے۔ دینی وسیاسی بصیرت میں آپ کا نقطۂ نظر بہت بے باکانہ اور تقاضائے عصر کی معنویت کو لیے ہوئے رہتا تھا۔ مجھے ان کی متعدد مقامات پر مختلف کانفرنس، سیمینار اور اجتماعات میں متعدد بار ان کے کلمات وخطابات کے سننے کا شرف حاصل رہا۔ ان کی کئی تحریریں بھی میری نظروں سے گزری ہیں۔ ان کے زبان و دل، کردار وافکار میں بڑی یکسانیت تھی۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر سیاست اور دینی معاملات میں وہ اپنی خداداد بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے بہت سوچ سمجھ کر فیصلے لیتے اور ایک بار جو فیصلے لیتے اس پر تاحیات قائم ودائم رہتے۔ ان کے کردار اور فیصلے میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی۔ قادیانیت کے خلاف ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' میں علمائے اہلِ سنت کے ساتھ آپ نے بہت ہی مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا۔ اس پر پاکستان کے تمام اخبارات اور رسائل وجرائد شاہد ہیں۔ ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' میں مردانہ وار حصہ لینے کی پاداش میں پاکستانی حکومت کی جانب سے آپ کے لیے پھانسی کی سزا بھی سنائی گئی تھی۔ مگر بعد میں حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینا پڑا۔

مجاہد ملت بہت ہی حساس دل انسان تھے، وہ نظامِ مصطفی کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کے درمیان اسلام دشمن عناصر کی سازش سے پیدا شدہ تفرقہ بازی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لیے وہ اتحادِ ملت کے لیے بھی ہمیشہ دل سے کوشاں رہتے، اتحادِ ملت کے حوالے سے ان کی ایک مبسوط کتاب اصول وضوابط کے تعلق سے پاکستان میں شائع ہو چکی ہے۔ زیرنظر تحریر اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ آج کا یہ بحرانی دور نہ صرف برصغیر بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے مسئلہ روح فرسا بنا ہوا ہے۔ آج کے پس منظر میں عالمی سطح پر اتحاد واتفاق کی ضرورت مزید سخت ہوگئی ہے۔ ہم اتحادِ ملت کے اس عصری تقاضے کے پس منظر میں ایک بار پھر ان تمام حضرات کے دلوں پر پرخلوص دستک دیتے ہوئے اس تحریر کے ذریعہ اتحاد واتفاق کی دعوت دیتے ہیں۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں    ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں میں کیا رکھا ہے    (نوشاد عالم چشتی علیگ)

# اتحادِ ملتِ اسلامیہ: عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت

مجاھد ملت علامہ عبدالستار خاں نیازی☆

**ہمارے ملّی اتحاد کی بنیاد عشق ناموسِ رسول ہے:**

اتحاد کے تذکرے میں اب ذرا ایک لمحہ کے لیے غور کریں کہ یہ سارے رشتے اور بندھن کس کے واسطے قائم ہیں۔ کیا یہ ہمارا پیارا اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں جس نے ہمیں سکھایا ہے کہ اس کائنات کا ایک رب بھی ہے، اور کیا انھوں نے ہی ہمیں آگاہ نہیں کیا کہ قرآن اُسی برتر فرماں روا اللہ رب العالمین کی بھیجی ہوئی کتاب ہے۔ اور یہ قرآن ہی ہے جس کے بتائے ہوئے دستور سے خاندان قائم رہتے ہیں، ان نکات کو فلسفیانہ موشگافیاں نہ سمجھو۔ ذرا سوچو اگر عشقِ رسول کا واسطہ بیچ سے اُٹھ جائے تو کیا حد ہوگی اور وہ کون سی دیوار ہوگی، جو ہمیں کفار سے جدا رکھے گی۔ وحدتِ ملّی اور قومی غیرت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ پھر اگر یہ موٹی بات سب کو معلوم ہے کہ ان سب رشتوں اور تمام وابستگیوں کی جڑ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو جو طاقت تمھیں سیّد الانبیاء رحمۃ للعالمین سے جدا کرتی ہے، ان کی محبت اور احترام میں خلل ڈالنا چاہتی ہے، وہ کیا تمھارے ماں باپ، تمھارے بہن بھائی، تمھاری جائیداد اور تمھاری زندگی کی ہر اُس خوشی سے تمھیں محروم نہیں کرنا چاہتی جس سے تمھاری دنیاوی زندگی کے سہارے اور عاقبت کے تمام حسین تصورات قائم ہیں۔ ایسی شیطانی طاقت جو تمھیں عشق و اطاعتِ رسول اور احترام وتوقیر کے تمام آداب سے ہٹا دینا چاہتی ہے کیا قابلِ نفرت نہیں ہے؟ اتحاد کا مرکزی تصور جب تک عشق واطاعتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نہ بن جائے ہم اُمتِ واحدہ نہیں بن سکتے۔ امتیازاتِ رنگ و بُو، نسل و زبان، وطن اور علاقائیت کے باوجود اگر ہم تاریخی وحدت ہیں تو احکام رسالت کی پابندی،

☆ سابق وفاقی مذہبی وزیر حکومت پاکستان، سابق مرکزی جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے پاکستان

سنتِ مطہرہ سے وابستگی اور عشقِ محمدی کے کلمۂ جامعہ کی بنا پر بقول حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دِگر پیوستہ ایم

ملت کے تمام طبقات کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق اشارۃً کنایۃً سُوئے ادبی کرتا ہے اُسے مسترد کر دیا جائے چاہے کتنے ہی مقام و مرتبہ کا مالک کیوں نہ بنتا ہو۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، یہی نقطۂ نگاہ علمائے دیوبند کے اکابر نے بھی اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں متعلقہ اقتباسات:

- ''جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرورِ کائنات علیہ السلام ہوں اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔'' (مولانا رشید احمد گنگوہی، لطائفِ رشیدیہ، مطبوعہ ساڈھورہ، ۱۳۱۸ھ، ص ۲۲-۲۳ ملخصاً)
- ''جن الفاظ میں ابہام گستاخی و بے ادبی ہوتا تھا اُن کو بھی باعثِ ایذا جناب رسالت مآب علیہ السلام ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ بس ان کلماتِ کفر کے بکنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اگر مقدور ہو۔ اور اگر باز نہ آوے قتل کرنا چاہیے کہ موذی و گستاخ شانِ جنابِ کبریا تعالیٰ شانہٗ اور اُس کے رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔'' (مولوی حسین احمد مدنی، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، ص ۵۰)
- (الف) انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کرنی اور توہین نہ کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔'' (مولانا محمد مرتضیٰ حسن چاند پوری، اشد العذاب علی مسیلمۃ البنجاب، مطبوعہ دیوبند، ۱۳۴۷ھ ص ۹)

(ب) ''اس طرح ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے بلکہ بعض ایسے مسائل کے منکر کو بھی کافر کہا جائے گا، جو تواتر سے ثابت نہ ہوں بلکہ ان کی اعتقادی حیثیت ہو۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا۔'' (پروفیسر محمد رضوان اللہ، مولانا انور شاہ کشمیری، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۷۴ء، ص ۲۲۶)

- ''اہلِ حدیث کا مذہب ہے کہ انبیا علیہم السلام کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اولیا کی (جن کا تقویٰ طہارت معلوم اور ثابت ہو) توہین کرنے والا یا اُن کی نسبت بدظنی یا تحقیر کرنے والا فاسق ہے۔'' (مولانا ثناء اللہ امرتسری، اہل حدیث کا مذہب، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۷)
- ''کل اُمت کا اِس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناروا الفاظ کہنے والا کافر ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔'' (مولانا انور شاہ کشمیری، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین، مطبوعہ دہلی ۱۳۵۰ھ، ص ۴۳)

علاوہ ازیں مختلف کتب کے اندر اس قسم کے حوالے موجود ہیں، جن میں انبیا کی توہین کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر، تعظیم، محبت فرض ہے اور شرائطِ ایمان اور اساساتِ دین میں شامل ہے۔

بنا بریں دعوتِ اتحاد دینے والے ہر شخص کو اِسے طے شدہ امر تسلیم کرنا ہوگا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بقول سیّد محمد انور شاہ کشمیری ''بارگاہِ انبیا میں گستاخی کفر ہے، چاہے اس سے قائل کی مراد توہین کی نہ بھی ہو۔'' (محمد منشا تابش قصوری، دعوتِ فکر، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶) اور ابھی مولانا حسین احمد مدنی کا قول نقل کر چکے ہیں کہ موہم تحقیر فقرات بھی موجبِ کفر ہیں۔ یہی حوالہ مکتوبات شیخ الاسلام، جلد دوم صفحہ ۶۵ میں موجود ہے۔

ان تمام تصریحات کے بعد اب کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ اور یہ بات واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ ضریاتِ دین کا منکر کافر ہے۔ ایک بات تفصیل طلب رہ جاتی ہے کہ ضروریاتِ دین کی تاویل کرنے والا کس زُمرہ میں ہے؟ آیا وہ بھی کافر ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں شاہ صاحب (مولانا انور شاہ کشمیری) کی رائے یہ ہے کہ ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے اور اس میں تاویل کرنے والا بھی کافر ہے۔ (پروفیسر محمد رضوان اللہ، مولانا انور شاہ کشمیری، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۷۴ء، ص ۲۲۷)

## اختلافات فروعی نہیں اعتقادی اور بنیادی ہیں:

شتر مرغ کی طرح دُشمن کو آتے دیکھ کر اپنا سر ریت میں چھپا لینا یا کبوتر کی طرح نشانہ باز کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینا جہاں دانش مندی نہیں، وہاں اصول و مسلماتِ دین میں اختلافات کو فروعی یا بے حقیقت کہہ دینا بھی سراسر حماقت ہے۔

## ایک فرقہ کے عقائد:

- سرورِ کائنات علیہ السلام کو پکارنا، شفیع المذنبین سمجھنا، ختم پڑھنا، صورتِ مبارکہ اور قبر شریف کا تصور کرنا، حاجت روا، صاحبِ تصرف، مختارِ جملہ صفات کو باذن اللہ تعالیٰ باعطائے الٰہی ماننا بھی شرک ہے اور شرک بھی ابوجہل جیسا۔ (محمد بن عبدالوہاب، نجدی: کتاب التوحید عربی مطبوعہ ریاض، ملخصاً)
- شافع محشر علیہ التحیۃ والثنا سے استغاثہ طلب کرنا شیطانی فعل ہے اور شرک ہے۔ (محمد بن عبدالوہاب، نجدی: کشف الشبہات عربی، مطبوعہ ریاض، ص ۵۷)
- رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا شرک ہے۔ (قاضی شوکانی: الدر النضید، ص ۳۶-۵۱)
- نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹّی میں مل گئے۔ (مولوی اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی، ص ۵۷)
- ''اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُولَ اللّٰہ پڑھنے والا بدعتی اور گنہگار ہے۔'' (اخبار اہل حدیث امرتسر، ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۵ء ص ۱۲)

- ''ہر وہ شخص جو شہر اجمیر یا سالار مسعود کی قبر کی یا کسی ایسی ہی دوسری جگہ (سرہند، پاک پٹن، بغداد، گنج بخش وغیرہ) حاجت طلب کرنے جاتا ہے وہ ایسے شدید گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جو قتل اور زنا سے بھی بڑا ہے اور یہ شخص اپنے جرم میں ویسا ہی ہے جیسے کوئی خود بنائی ہوئی چیز کی عبادت کرتا یا لات ومنات سے دُعائیں مانگتا ہے۔'' (ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ۱۶/جولائی ۱۹۷۶ء صفحہ اوّل)
- ''نمازی کو شیخ یا ان ہی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت ماب ہی ہوں، اپنی ہمّت (خیال) کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔'' (مولوی اسمٰعیل دہلوی، سراطِ مستقیم اُردو، مطبوعہ اسلامی اکاڈمی، لاہور، ص ۱۶۹)
- ''آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کی تعظیم کرنا کفر و شرک ہے۔'' (الدرالنضید، ص ۵۹)
- ''صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بُت ہے۔'' (ایضاً: ص ۱۷، ۵۹، ۶۲)
- ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔'' (تقویۃ الایمان، ص ۴۳)
- قادری، نقشبندی، چشتی کہلانا بدعاتِ کفریہ ہیں۔ (مولوی اسمٰعیل دہلوی، تذکیرالاخوان، مطبوعہ میر محمد، کتب خانہ کراچی، ص ۶۴)
- اللہ چاہے تو کروڑوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے پیدا کرسکتا ہے۔ (تقویت الایمان، ص ۳۶)
- ''جو لوگ مجوب یا ابنِ عباس یا انبیا یا ملائکہ یا اولیا کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ جانتے ہیں تاکہ یہ اُن کے حق میں سفارش کریں۔ پس ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک کافر ہے۔ اُس کا خون روا ہے اور مال مباح ہے اگرچہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھے۔ اور نماز، روزہ پر بھی عامل ہو اور خود کو مسلمان کہے پھر بھی اس کے اعمال باطل ہوئے۔'' (سلیمان بن سحمان، نجدی: اَلْھَدِیَۃُ السُّنِّیَّۃ، اُردو ترجمہ: مولانا اسمٰعیل غزنوی، تحفۂ وہابیہ مطبوعہ امرتسر، ۱۹۲۷ء، ص ۸۸)

### ایک دوسرے فرقے کے عقائد:

- ''پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔'' (مولانا اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان مع بسط البنان، مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ، دیو بند ص ۸)
- ''اکثر لوگ پیروں، اماموں، شہیدوں، فرشتوں اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں، سو وہ شرک میں گرفتار ہیں۔'' (تقویۃ الایمان: ص ۱۹)
- ''انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔ اولیا و انبیا، امام اور امام زادے، پیر اور شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔'' (ایضاً: ص ۵۶)
- کوئی کسی کے لیے حاجت روا اور مشکل کشا و دست گیر کس طرح ہوسکتا ہے۔ ایسے عقائد والے لوگ پکّے کافر ہیں، اُن کا کوئی نکاح نہیں۔ ایسے عقائدِ باطلہ پر مطلع ہو کر جو انھیں کافر شرک نہ کہے وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔ (مولوی غلام اللہ خان، جواہر القرآن مطبوعہ مکتبۂ رشیدیہ راولپنڈی، ص ۱۴۷ ملخصاً)
- شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (علم محیط زمین) نص سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نصِ قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو ردّ کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔'' (مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوارِ السّاطعہ، مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیو بند، ۱۹۶۲ء، ص ۵۵)
- انبیا اپنی اُمت سے (اگر) ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہوجاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔'' (محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس، مطبوعہ کتاب خانہ رحیمیہ، ص ۵)
- نبی کو جو حاضر وناظر کہے بلاشک شرع اُس کو کافر کہے۔ (جواہر القرآن، ص ۶)
- یہ ہر روز اعادۂ ولادت (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو مثل ہنود کے کہ سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں۔'' (البراہین القاطعہ علی ظلام الانوارِ السّاطعہ، ص ۱۵۲)
- الف: ''کذب داخل تحت قدرتِ باری تعالیٰ جل وعلیٰ ہے۔ کیوں نہ ہو۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَئِی قَدِیْرٌ.'' (مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ سعید اینڈ سنز، کراچی ص ۹۲)

ب: ''لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد۔''

(ترجمہ: ہم نہیں مانتے کہ اللہ کا جھوٹ بولنا محال ہے) (مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی: ایک روزہ فارسی مطبوعہ فاروقی کتب خانۂ ملتان ص ۱۷)

''والاّ لازم آید کہ قدرتِ انسانی زید از قدرت ربانی باشد۔''

ترجمہ: اگر خدا جھوٹ نہ بول سکے تو لازم آئے گا کہ آدمی کی قدرت اس سے بڑھ جائے گی۔ (ایضاً: ص ۱۷)

ج: ''امکانِ کذب (باری تعالیٰ) کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے۔'' (البراہین القاطعہ علی ظلام الانوارِ الساطعہ، ص ۶)

- ''یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۶)

● ''علم غیب خاصۂ حق تعالیٰ ہے، اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ابہام شرک سے خالی نہیں۔'' (ایضاً: ص ۹۳)

● الف: ''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (تحذیر الناس مطبوعہ دار الاشاعت، کراچی، ص ۳۴)

ب: ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر (آخری) نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ (زمانی) میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔'' (تحذیر الناس مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ، دیوبند ص ۳)

● الف: دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں، ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضرور (ضروری) نہیں۔'' (مولانا محمد قاسم نانوتوی، تصفیۃ العقائد، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، ۱۹۷۶ء ص ۲۹)

ب: بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شانِ نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیا علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں۔'' (ایضاً: ص ۳۱-۳۲)

● اور انسان خود مختار ہے اچھے کام کریں یا نہ کریں اور اللہ کو پہلے اس سے کوئی بھی علم نہیں کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو اُن کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا۔'' (مولوی حسین علی، بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان، مطبوعہ حمایتِ اسلام پریس لاہور، ص ۱۵۷-۱۵۸)

## اہلِ سنت وجماعت کے عقائد:

یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت، شفاعت، مختاریت، توسّل، تصرفات، صلوٰۃ وسلام، حیات النبی، حاضر وناظر، قیام فی المیلاد، عظمتِ رسول، تصورِ رسول، نذر ونیاز، ایصالِ ثواب، عظمتِ صحابہ، محبتِ اہلِ بیت، کثرتِ درود شریف، علم غیب کو برحق شمار کرتے ہیں۔ مثلاً تصورِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نماز کو درست نہیں سمجھتے۔

(الف): تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور حکایۃً نہیں بلکہ بطور انشا خطاب کیا گیا ہے (اور) یہاں فی الواقعہ حضور کو سلام مقصود ہے۔'' (علامہ علاء الدین الحصکفی، دُرِّ مختار)

(ب): ''شارعِ حقیقی نے قعدے میں نمازی کو صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم صرف اس لیے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھنے والے غافلوں کو اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں اس بارگاہ میں ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونق افروز ہیں، کیونکہ وہ بارگاہِ خداوندی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ پس نمازی حضور علیہ السلام کے رُوبرو سلام عرض کرتے ہیں۔'' (علامہ عبدالوہاب، شعرانی، المیزان الکبریٰ عربی، جلد۱، مطبوعہ مصر، ص ۱۴۵)

(ج): حضرت علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے بڑے خوبصورت انداز میں فتح الباری شرح بخاری شریف میں لکھتے ہیں:

''نمازیوں نے جب التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو اُنھیں حی لا یموت کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مل گئی، مناجات کی فرحت سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، تو انھیں متنبہ کیا گیا کہ یہ سب کچھ صدقہ ہے جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اُن کی تابعداری کی برکت ہے۔ سو انھوں نے خبردار ہوتے ہی نظر اُٹھائی تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حبیبِ پاک کو حاضر وموجود پایا۔ پس آداب بجالائے اور فوراً اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔'' (فتح الباری شرح بخاری عربی جلد۲، مطبوعہ مصر، ص ۲۵۰)

(د): شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے فرمایا:

''یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام موجودات کے ذرّات اور افرادِ ممکنات میں جاری وساری ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔ لہٰذا نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے سے غافل نہ ہو تاکہ انوارِ قرب اور اسرارِ معرفت سے روشن وفیض یاب ہو۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی جلد۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ص ۴۰۱)

## علم غیب کے متعلّق اہل سنت کا عقیدہ:

(الف): صحابہ کا عقیدہ: جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کے بارے میں اپنے صحابہ کرام سے کچھ معلوم کرتے اور صحابہ نہ جانتے تو عرض کرتے: ''اللّٰہ و رسولہٗ اعلم'' یعنی اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

(ب) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں: ''ان لــہ صفۃ بھا یدرک ما سیکون فی الغیب.'' (احیاء علوم الدین مطبوعہ بیروت، ص ۱۹۴) ترجمہ: ''یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے جس سے وہ غیب کی آئندہ باتوں کو ادراک کر لیتا ہے۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں اس کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

''النبوۃ عبارۃ عما یختص بہ النبی و یفارق بہ غیرہ وھو یختص بانواع عن الخواص انہ یعرف حقائق الامور المتعلقہ باللّٰہ تعالیٰ وصفاتہ و ملئکتہ والدار الآخرۃ. علما مخالفا لعلم غیرہ بکثرۃ المعلومات زیادہ الکشف والتحقیق و ثانیھا لہ فی نفسہ صفۃ بھا تتم الافعال الخارقہ للعادۃ کما ان

لنا صفة تتم بها الحركات المقرونة بارادتنا وهی القدرة ثالثها ان له صفة بها يبصر الملئكة ويشاهدهم كما ان للبصير صفة بها يفارق الاعمى.

ترجمہ: نبوت اس چیز سے عبارت ہے کہ جس کے ساتھ نبی مختص ہے اور غیروں سے ممتاز ہے۔ایک یہ کہ جو امور اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات اور فرشتوں اور آخرت کے ساتھ متعلق ہے نبی اُن کے حقائق کا عارف ہوتا ہے اور دوسروں کو کثرتِ معلومات اور زیادتیِ کشف و تحقیق میں اُس سے کچھ نسبت نہیں۔ دوم یہ کہ اُن کی ذات میں ایک ایسا وصف ہے، جس سے افعالِ خارقۂ عادت تمام ہوتے ہیں جس طرح کہ ہمیں ایک وصف قدرت کا ایسا حاصل ہے، جس سے ہمارے حرکاتِ ارادیہ پورے ہوتے ہیں۔ سوم یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے جس سے ملائکہ کو دیکھتا ہے اور اُن کا مشاہدہ کرتا ہے، جس طرح کہ بینا کو ایک وصف حاصل ہے جس کے باعث وہ نابینا سے ممتاز ہے۔

علامہ مُلّا علی قاری رحمہ اللہ (م۱۰۱۴ھ) نے 'مرقاۃ المفاتیح' جلداوّل صفحہ۵۴ میں علمِ غیب کے متعلق اہلِ سنت کی تائید اس طرح فرمائی کہ: محبوبانِ خدا انبیا (صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم) واولیا (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) کے سینوں کی نورانیت سے لوحِ محفوظ کے نقوش اُن میں منعکس ہوجاتے ہیں۔ (ملخصاً)

**(ج) آیاتِ قرآنی کی شہادت:**

- ''اے دُنیا والو! ہمارا (محبوب) تم کو وہ کچھ بتارہا ہے کہ اس سے پہلے تمھیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔'' (البقرہ،آیت ۱۵۱)
- ''اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تمھیں علومِ غیب دے دے، ہاں! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔'' (آل عمران:۱۷۹)
- ''غیب جاننے والا ہے اپنا راز کسی پر نہیں کھولتا مگر رسولوں میں سے جس پر چاہے کھول دیتا ہے۔ (سورۃ الجن:۲۶)
- ''یہ غیب کی خبریں ہیں (پس اے حبیب!) تمھیں کو بتاتے ہیں۔'' (سورۂ ہود:۴۹)
- ''بے شک وہ ہمارے سکھلائے سے صاحبِ علم ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (سورہ یوسف:۶۸)
- مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۔ترجمہ:''اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو (اے کلمہ گویانِ اسلام!) جب تک جدا نہ کردے ناپاک کو (یعنی منافق کو) پاک (مومن مخلص) سے۔'' یہاں تک کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھارے احوال پر مطلع کرکے مومن و منافق ہر ایک کو ممتاز فرمادے۔ (تفسیر خازن، جلداوّل،ص۳۸۲)

**شانِ نزول**: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کی صورتیں پیش کی گئیں جیسے کہ آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھیں، اور مجھے معلوم ہوگیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، جب یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ تمسخر سے کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گمان ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ کون اُن پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، ان لوگوں میں سے جو ابھی نہیں پیدا ہوئے اور آئندہ پیدا کیے جائیں گے۔ یہ تو بڑی بات ہے۔ ہم تو اب موجود ہیں، وہ بتائیں کہ ہم میں سے کون مومن اور کون کافر ہے۔ یہ خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ کی حمد وثنا کرکے فرمانے لگے کہ ان قوموں کا کیا حال ہے جنھوں نے میرے علم میں طعن کیا، آج سے قیامت تک کوئی شے ایسی نہیں جس کو مجھ سے تم دریافت کرو اور میں تمھیں نہ بتاسکوں۔ اب سے قیامت تک کی جس چیز کو چاہو مجھ سے دریافت کرو، میں تمھیں اس کی خبر دوں گا۔ پس عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہوکر کہا کہ یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، قرآن کے امام ہونے، آپ کے نبی ہونے پر راضی ہوئے، پس ہماری تقصیر معاف فرمائیے۔

اب حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وقال السدى، قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: عرضت علىّ اُمتی فی صورها فی الطين كما عرضت على آدم و اعلمت من يؤمن بی و من يكفر بی فبلغ ذٰلک المنافقين فقالوا: استهزاءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ انه يعلم، من يؤمن به و من يكفر ممن لم يخلق بعد و نحن معه و مايعرفنا فبلغ ذٰلک رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم، فقام على المنبر، فحمد اللّٰه تعالىٰ و اثنى عليه ثم قال: مابال اقوام طعنوا فی علمی تسألونی عن شيئ فيما بينكم و بين الساعة الانبأتكم به فقام عبداللّٰه بن حذافة السهمی فقال: من أبی يارسول اللّٰه! قال حذافة فقام عمر فقال يا رسول اللّٰه رضينا باللّٰه رباً و بالاسلام دينا و بالقرآن اماماً وبک نبيا فاعف عنا عفا اللّٰه عنک. فقال النبی صلى الله عليه وسلم فهل انتم منتهون ثم نزل عن المنبر.

**(د) علمائے دیوبند کی تصدیق:**

- لوگ کہتے ہیں کہ علمِ غیب انبیا واولیا کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہلِ

حق جس طرف نظر کرتے ہیں، دریافت وادراک غیبیات کا اُن کو ہوتا ہے۔
(قول حاجی امداداللہ مہاجر مکی بحوالہ امداد المشتاق ص ۷۶-۷۷)

● وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ آیتِ قرآنی پر حاشیہ لکھتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ''یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے۔''
(حاشیہ تفسیر قرآن)

● محمد قاسم نانوتوی مختصراً دوٹوک فیصلہ سناتے ہیں:
''علومِ اوّلین اور علومِ آخرین سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں۔'' (تحذیرالناس، ص ۵)

**(ہ) اہل حدیث کی تائید:**

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اپنے رسالہ 'علم غیب کا فیصلہ' (مطبوعہ مطبع اہلِ حدیث، امرتسر، ص ۱۳) میں رقم طراز ہیں: ''بھلا کوئی مسلمان کلمہ گو اس بات کا قائل ہوسکتا ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کو امورِ غیبیہ پر اطلاع نہیں ہوتی ہے۔ مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیا اور جنوں بلکہ تمام مخلوق کی لعنت ہو۔''

الغرض جناب مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شان کے ساتھ اعلان فرمادیا کہ قیامت سے قبل ان امورِ عظیمہ کو دیکھو گے جو نہ دیکھے تھے اور نہ سوچے تھے۔ (بخاری باب الفتن)

صرف یہی نہیں فرمایا بلکہ مستقبل میں پیش آنے والے تمام امورِ غیبیہ کو ایک ایک کرکے بیان کردیا۔ احادیث ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علومِ ماکان و مایکون کے بارے میں شاندار نقشہ پیش کیا گیا ہے:

● حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری مجلس میں قیام فرما کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں اور دوزخیوں کے اپنی اپنی منزلوں میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔

● حضرت عمرو بن اخطب انصاری نے فرمایا کہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوکر نمازِ ظہر تک وعظ فرمایا، پھر ہم کو ظہر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف لے جاکر عصر تک خطبہ دیا، پھر ہم کو عصر کی نماز پڑھائی اور منبر پر جلوہ آرا ہوکر سورج کے ڈوبنے تک خطبہ دیا اور قیامت تک کے تمام ہونے والے واقعات کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا۔

● بخدا میں (یعنی حضرت ابوحذیفہ) نہیں جانتا کہ میرے دوست خود بھولے یا بھلائے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی قائدِ فتنہ کو جو قیامت تک ہوں گے نہ چھوڑا تھا جن کی تعداد تین سو سے زائد ہوگئی تھی، مگر قائدِ فتنہ کا نام اور اُس کی ولدیت اور اُس کا قبیلہ تک بتادیا تھا۔

میں اتحادِ عالمِ اسلام کے موضوع پر زیادہ حوالہ جات سے احتراز کروں گا، تاہم یہ بآسانی ثابت کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے فرقوں کے مذکورہ بالا عقائد کی تردید میں خود اُن کے مستند اور جید علما کی تصریحات موجود ہیں۔ مثلاً فیصلہ ہفت مسئلہ، المہنّد علی المفنّد، آبِ حیات، نائلہٗ امدادِ غریب، تذکرۃ الرشید، شمائم امدادیہ، قصائدِ قاسمی، مناجاتِ مقبول، امداد السلوک، فتاویٰ رشیدیہ، صراطِ مستقیم، مخزنِ احمدی وغیرہ تصانیف علمائے دیوبند میں تمام قابلِ اعتراض عقائد کا جواب موجود ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی کئی مقامات پر بالخصوص علم غیب کے مسئلہ میں علمائے اہلِ سنت کے بیانات کی تائید کی ہے۔

**انقلابات ہیں زمانے کے:**

حضراتِ علمائے دیوبند نے اپنی کتب میں بار بار عقائدِ وہابیہ کی زبردست تردید کی ہے۔ مثلاً:

● مولانا خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی (۱۸۵۲ء-۱۹۲۷ء) لکھتے ہیں:
''اُن (محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے تابعین) کا عقیدہ تھا کہ بس وہ ہی مسلمان ہیں اور جو اُن کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بنا پر انھوں نے اہلِ سنت اور علمائے اہلِ سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔''
(المہنّد علی المفنّد، مطبوعہ کراچی، ص ۲۲)

نوٹ: اس کتاب پر شیخ الہند وشیخ الدیوبند مولانا محمود حسن (۱۸۵۱ء-۱۹۲۰ء)، حکیم الامت دیوبند مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء)، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (۱۸۷۵ء-۱۹۵۳ء) جیسے اکابر علمائے دیوبند کے تصدیقی دستخط موجود ہیں۔

● مولانا محمد انورشاہ صاحب کشمیری (۱۸۷۵ء-۱۹۳۴ء) سابق شیخ الحدیث دیوبند لکھتے ہیں:

**''اما محمد بن عبدالوهاب النجدی فانه کان رجلاً بليداً قليل العلم فکان يتسارع الی الحکم بالکفر.**
(فیض الباری، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ص ۱۷۰-۱۷۱)

ترجمہ: یعنی محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک کم علم اور کم فہم انسان تھا، اس لیے کفر کا حکم لگانے میں اُسے باک نہ تھا۔''

● مولانا حسین احمد مدنی (۱۸۷۹ء-۱۹۵۷ء) شیخ الحدیث دیوبند رقم طراز ہیں:
(الف): ''محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہلِ عالم و تمام مسلمانانِ دیارِ مشرق کافر ہیں اور ان سے قتل وقتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔'' (الشہاب الثاقب علی

المستر ق الکاذب، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیو بند، ص ۶۳)

(ب): ''زیارتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وحضوریِ آستانۂ شریفہ و ملاحظۂ روضۂ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت حرام وغیرہ لکھتا ہے۔'' (ایضاً ص ۵۴)

(ج): شانِ نبوت وحضرت رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذاتِ سرورِ کائنات خیال کرتے ہیں۔ توسّلِ دعا میں آپ کی ذاتِ پاک سے بعد وفات ناجائز کہتے ہیں۔ اُن کے بڑوں کا مقولہ ہے معاذ اللہ نقلِ کفر کفر نباشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذاتِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے، ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں اور ذاتِ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔'' (ایضاً ص ۴۷)

(د): ''وہابیہ خبیثہ کثرتِ صلوٰۃ وسلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرأتِ دلائل الخیرات وقصیدۂ بردہ وقصیدۂ ہمزیہ وغیرہ کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۶۶)

''الحاصل وہ (محمد بن عبدالوہاب نجدی) ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھا۔'' (ایضاً ص ۴۲)

نوٹ: مولانا حسین احمد مدنی صاحب کی وفات پر اکابر علمائے اہلِ حدیث نے خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہ اور مولانا محمد صدیق لائل پوری نے غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی اور تعزیت کی قرار دادیں پاس کیں۔

مولانا حسین احمد مدنی کی کتاب 'الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب' کے مندرجۂ ذیل اقتباسات وہابیہ نجدیہ کے متعلق سوادِ اعظم اہلِ سنت کے نقطۂ نگاہ کو بالکل واضح، غیر مبہم اور صاف لفظوں میں پیش کرتے ہیں:

''وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالہ جانتے ہیں اور ائمۂ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ واہیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہلِ سنت والجماعت کے مخالف ہوگئے، چنانچہ غیر مقلدینِ ہند اُسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقتِ اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل درآمد اُن کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں اُس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کا بھی مثل غیر مقلدین کے اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول بہ ہے۔'' (الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، ص ۶۲-۶۳)

''ان (وہابیہ نجدیہ) کا اعتقاد یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے واسطے حیات فی القبور ثابت نہیں بلکہ وہ بھی مثل دیگر مسلمین کے متصف بالحیاۃ البرزخیہ اسی مرتبہ سے ہیں۔ پس جو حال دیگر مومنین کا ہے وہ ہی اُن کا ہوگا۔ یہ جملہ عقائد ان کے اُن لوگوں پر بخوبی ظاہر و باہر ہیں، جنھوں نے دیارِ نجد عرب کا سفر کیا ہو یا حرمین شریفین میں رہ کر اُن لوگوں سے ملاقات کی ہو یا کسی طرح سے اُن کے عقائد پر مطلع ہوا ہو۔ یہ لوگ جب مسجد شریف نبوی میں آتے ہیں تو نماز پڑھ کر نکل جاتے ہیں اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام و دعا پڑھنا مکروہ و بدعت شمار کرتے ہیں، ان ہی افعالِ خبیثہ، اقوالِ واہیہ کی وجہ سے اہلِ عرب کو اُن سے نفرت بے شمار ہے۔'' (ایضاً ص ۶۵-۶۶)

لطف کی بات یہ ہے کہ صاحب 'شہابِ ثاقب' عقائد نجدیہ وہابیہ کی نہ صرف شدت وغلظت کے ساتھ تردید کرتے ہیں بلکہ مثبت انداز میں اُن کے عقائد مردودہ کے جواب میں ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، اولیائے کرام کی بابت اپنے عقائد، سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے مطابق پیش کرتے ہیں:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ دُنیا تک محدود نہیں بلکہ ہر حال میں زندہ و پائندہ ہیں۔ (الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، ص ۴۵)
- دربارِ رسالت میں حاضری کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے اور ہمارے اکابر نے اس کے لیے سفر کیا ہے۔ (ایضاً ص ۴۶)
- ہم توسّل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ (ایضاً ص ۵۷)
- ہم اشغالِ باطنیہ کے قائل وعامل ہیں۔ (ایضاً ص ۶۰)
- ذکرِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اولیاء اللہ کے ذکر کو بھی ہم مستوجب برکت سمجھتے ہیں۔ (ایضاً ص ۶۷)
- ہم ہر قسم کے درود کو جائز سمجھتے ہیں۔ (ایضاً ص ۶۶)
- مسجدِ نبوی یا کسی اور مقام پر یارسول اللہ کہنا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ (ایضاً ص ۶۵)

علیٰ ہٰذا القیاس تبلیغی جماعت نے اپنی مشہور کتاب 'تبلیغی نصاب' صفحہ ۷۸۹ پر یارسول اللہ اور یامحمد کے ذکر کو باعثِ خیر و برکت بتایا ہے۔ نیز جماعت مودودیہ کے بانی نے حج کے انتظامات اور دیگر رسوم کی ادائیگی میں حکومتِ نجدیہ پر شدید تنقید کی ہے۔ مگر زمانے کے انقلابات دیکھیے کہ 'پٹرو ڈالر' کی چکاچوند نے ان تمام عقائد ونظریات کو نہ صرف نسیاً منسیاً بنادیا ہے بلکہ وہ حکومتِ سعودیہ نجدیہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ نواب محمد صدیق حسن خان (۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ) اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری (م ۱۹۴۸ء) نے طائفہ نجدیہ وہابیہ سے نہ صرف بیزاری ولاتعلقی کا اظہار کیا ہے بلکہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت اور تعلیمات کو درخورِ

اعتنا بھی نہیں سمجھا اور ایک لحاظ سے اسے مسترد کر دیا ہے۔

چنانچہ انھوں نے سرکارِ انگلیشیہ سے پورے شدومد کے ساتھ التجا کی کہ تھی بجائے فرقہ وہابیہ کے اُن کو اہلِ حدیث لکھا جائے۔ پس بموجب چٹھی گورنمنٹ انڈیا بنام پنجاب گورنمنٹ نمبر ۱۷۵۸، مورخہ ۳ردسمبر ۱۸۸۹ء سرکاری دفتروں میں انھیں وہابی فرقہ کے بجائے 'اہلِ حدیث' لکھنے کا حکم جاری کیا گیا اور وہابی لکھنے کی قانوناً ممانعت کر دی گئی۔

انقلابِ روزگار ملاحظہ فرمایئے کہ یہ لوگ آج محمد بن عبدالوہاب کو اپنا ہیرو قرار دے رہے ہیں۔ کتاب التوحید وغیرہ کی اشاعت میں سرگرم ہیں۔ اس کا ترجمہ پشتو زبان میں کروا کر مہاجرینِ افغانستان میں تقسیم کر رہے ہیں اور اس کے نام سے کئی ادارے قائم رکھے ہیں۔ اس باب میں اہلِ حدیث، دیوبندی اور مودودیہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حکومتِ سعودیہ نجدیہ کی خوشنودیِ مزاج کے لیے مستعد ہیں۔ اس کے ثبوت میں چند حوالے درجِ ذیل ہیں:

''جو کتاب میں (صدیق حسن خان) نے ۱۲۹۲ ہجری میں لکھی ہے اور اُس کا نام 'ہدایۃ السائل' ہے، اُس کے صفحہ ۱۱۹ میں وہابیہ کے حال میں لکھا ہے کہ ان کی کیفیت کچھ نہ پوچھو۔ سراسر نادانی اور حماقت میں گرفتار ہیں۔''

(نواب محمد صدیق حسن خان، ترجمانِ وہابیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۱۲ھ، ص ۲۱)

پھر آگے چل کر نواب صاحب موصوف 'ترجمانِ وہابیہ' میں وہابی مذہب کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مسلمانانِ ہند میں کوئی مسلمان وہابی مذہب نہیں ہے اس لیے کہ جو کارروائی ان لوگوں نے ملک عرب میں عموماً اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں خصوصاً کی اور جو تکلیف ان کے ہاتھوں سے ساکنانِ حجاز و حرمین شریفین کو پہنچی وہ معاملہ کسی مسلمانِ ہندو غیرہ نے ساتھ اہلِ مکہ و مدینہ کے نہیں کیا اور اس طرح کی جرأت کسی شخص سے نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فتنہ وہابیوں کا ۱۸۱۸ء میں بالکل خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد کسی شخص امیر و غریب نے اس ملک میں بھی پھر نہ سر اُٹھایا۔'' (ایضاً، ص ۴۰)

''......مشہور ہے کہ اہلِ حدیث کے مذہب کا بانی عبدالوہاب نجدی ہوا ہے، مگر حاشا وکلا ہمیں اُس سے کوئی بھی نسبت نہیں...... آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ اہلِ حدیث نے کبھی بھولے سے بھی عبدالوہاب نجدی کے اقوال کو سنداً پیش کیا ہو اور کہا ہو کہ **ھذا قولُ اِمامنا عبدالوھاب وبه ناخذ** (یہ قول ہمارے امام عبدالوہاب کا ہے)۔'' (مولانا ثناء اللہ امرتسری، اہلِ حدیث کا مذہب، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۸-۱۰۹)

گردشِ دوراں سے اب اُن کو 'فیصل ایوارڈ' ملتے ہیں اور اور حکومتِ سعودیہ نجدیہ کے زیرِ اہتمام مساجد کی عالمی تنظیم کے معتبر رکن بنے ہوئے ہیں۔ نجدیت پرستی میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کی دینی سرگرمیوں کے خلاف متملّقانہ جاسوسی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

ہمیں ان کے اقتدارِ نجدیت کے سامنے جبہ سائی اور مدح سرائی سے کوئی غرض نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آج جب یہ لوگ اتحاد بین المسلمین کے داعی بن کر میدان میں نکلے ہوئے ہیں تو کیا اُنھیں اس امر کا احساس نہیں کہ ذاتِ رسالت مآب، صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ کے خلاف انھوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں اُن پر بھی ذرا توجہ فرمائیں۔ اپنے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے 'فیصلہ ہفت مسئلہ' اور اپنے مجموعۂ عقائد موسومہ 'المہنّد' کی سفارشات کو بھی نافذ العمل کریں۔ نیز جہاں جماعت مودودیہ اپنے بانی کی نگارشات بسلسلۂ نجدیت وہابیت سے رجوع کر کے آج اُن کی نمائندگی اور گماشتگی کے فرائض ادا کر رہی ہے وہاں 'حدیث دجال' کے متعلق مودودی صاحب کی تحقیقات سورۂ تحریم میں اُمہات المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ و سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت قابلِ اعتراض تفہیمات، سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہلی معاشرہ میں گم ہو جانے کے اندیشہ اور سورۂ نصر میں منصبِ نبوت کی ادائیگی میں کوتاہیوں سے مغفرت وغیرہ جیسی قرآنی تفہیمات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اقربانوازی اور مالِ غنیمت میں غلط تصرف جیسے الزامات کو علی الاعلان مسترد کر کے اجماعِ امت کے طے شدہ مسلمہ عقائد و نظریات پر واپس آ جائیں۔ مگر وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اہلِ سنت و جماعت کے پاس قوت و شوکت کا وہ سامان نہیں جو حکومتِ نجدیہ سعودیہ کے پاس موجود ہے۔ بہر حال اگر اتحاد مقصود ہے تو صدق دل سے ہونا چاہیے، زبانی کلامی پروپیگنڈا سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

داعیانِ اتحاد کا فرض تھا کہ وہ اختلافی عقائد و نظریات کو بیان کر کے موافقت اور مطابقت کی راہ نکالتے اور جس طرح میں نے اپنے چار نکاتی فارمولۂ اتحاد میں مثبت انداز میں اختلافات کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے وہ اس کی تکمیل کرتے اور وہ اس فارمولے میں جو خامی رہ گئی تھی اُسے دُور کرتے (یہ ایک ایسی دستاویز ہے جس کی ہر عقیدہ و مسلک کے علما نے تائید و حمایت کی تھی اور اپنے دستخط ثبت کیے تھے) اُسی کو آگے بڑھاتے اور ملک بھر کے جید اور نمائندہ علما کا کنونشن بلا کر واضح لائحۂ عمل مرتب کرتے۔ تحریکِ اتحاد ملت پاکستان کی جانب سے شائع شدہ اشتہار میں اکثر ان حضرات کے اسمائے گرامی موجود ہیں جنھوں نے ہمارے چار نکاتی فارمولے پر دستخط کیے تھے۔

یہ فارمولا ۲ردسمبر ۱۹۸۲ء کو شائع کیا گیا۔ کئی اخبارات و رسائل میں

بالخصوص روزنامہ ’جنگ‘ اور روزنامہ ’نوائے وقت‘ نے اسے تقریباً من وعن شائع کیا۔ بعض اصحاب کی جانب سے اس فارمولے کی مزید تشریح پوچھی گئی تو بعنوان ’وضاحت و استدراک‘ توضیحات پیش کی گئیں۔ چونکہ ملک بھر میں اب اتحاد کے نام پر ایک تحریک کا آغاز ہو چکا ہے اور لوگ اس کی حمایت کر رہے ہیں تو ساتھ ہی سوال کرتے ہیں کہ مختلف فرقوں کے پیچیدہ، گنجلک اور سنگین فقہی، اعتقادی اور تاریخی اختلافات کو حل کیسے کیا جائے؟ تحریک کا پانچ نکاتی فارمولا اس قدر مختصر اور مبہم ہے کہ اسے ہر شخص جو معنی پہنائے، پہنا سکتا ہے۔ اپنے مسلک کی مثبت تبلیغ اور دوسروں کی دل آزاری سے اجتناب کی خاطر جامع قرارداد کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کے بغیر پانچ نکاتی فارمولا ایک بے رُوح اور بے جان دستاویز ہے اور محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے عوام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

**ایک سوال:**

کیا ہمارا چار نکاتی فارمولا پبلک نے مسترد کر دیا ہے؟ اور کیا نئے داعیانِ اتحاد نے اپنی مخصوص قیادت کے ماتحت مخصوص مقاصد حاصل کرنے کے لیے یہ جدت طرازی کی ہے۔ میں نے چار نکاتی فارمولا کو عملی جامہ بنانے کے لیے ہمہ وقت کارکنوں کی ضرورت کو ناگزیر سمجھا تھا۔ ایسے کارکن جو یکسوئی سے کام کریں اور باقی تمام مصروفیات کو مؤخر و ملتوی کر کے صرف اسی مہتم بالشان کام کے لیے وقف ہو جائیں۔ اپنی اپنی سیاسی گروہ بندیوں کو باقی رکھ کر اور ان میں منہمک ہو کر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے خاص لگن کی ضرورت ہے:

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

**دعوتِ غور و فکر:**

اس نئی تحریکِ اتحادِ ملت نے داعی اپنی ڈگر پر چلتے رہیں گے اور جو شخص انھیں تحریکِ اتحاد کے لیے اتحاد و تعاون کی دعوت دے گا اُس کی نہیں سنیں گے۔ ناصح تو ایک آئینہ ہوتا ہے جو ہر مدعیِ اصلاح کے چہرے کا عکس اُسے دِکھا دیتا ہے۔ یہ اس آئینے میں اپنا رُخ کردار بعینہٖ دیکھنے کے بعد اسے توڑنے کے لیے لپک پڑیں گے۔ میں ایسے برخود غلط داعیانِ تحریکِ اتحادِ ملت کو اپنے خیال میں مخبوط چھوڑ کر براہِ راست عامۃ المسلمین کو خطاب کرتا ہوں اور اپنا فارمولا بمع وضاحت و استدراک پیش کر دیتا ہوں اور فیصلہ اُن پر چھوڑتا ہوں کہ وہ سنگین حقائق کا مقابلہ کرتے ہیں یا نعرہ بازی کا شکار ہوتے ہیں۔

میرے فارمولے کی کچھ اصحاب نے مخالفت اور سینکڑوں اصحاب نے تائید کی ہے۔ سرِ دست میں ۱۹۸۳ء کی اوّل سہ ماہی میں تائید کرنے والوں کے اسما درج کروں گا۔ اس کے بعد مکمل فارمولا ہدیۂ قارئین کیا جائے گا۔

(۱) جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب (۲) مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی (۳) سردار عبدالقیوم خان آزاد کشمیر (۴) مولانا مفتی جمیل احمد صاحب (۵) مولانا عبدالرحمٰن صاحب (۶) مولانا عبیداللہ صاحب جامعہ اشرفیہ (۷) پیر فضل الرحمٰن المجدد ی افغانی صاحب (۸) سجادہ نشین سید افضل حسین جماعتی علی پور سیداں (۹) علامہ خالد محمود صاحب صدر جمعیت علما برطانیہ (۱۰) مفتی غلام سرور قادری (۱۱) صاحبزادہ محمد فضل کریم صاحب (۱۲) مولانا شمس الزماں قادری صدر جماعت اہلِ سنت لاہور (۱۳) مولانا عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد (۱۴) سید اسعد گیلانی، منصورہ (۱۵) مولانا محمد عبداللہ خطاب مرکزی مسجد اسلام آباد (۱۶) مولانا محمد حنیف خیر المدارس، ملتان (۱۷) مولانا محمد یوسف جامعہ اشرفیہ پشاور (۱۸) حمید الرحمٰن نظام علما شیرانوالہ گیٹ لاہور (۱۹) مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب (۲۰) مولانا تاج محمود صاحب فیصل آباد (۲۱) مولانا محمد شفیع جوش صاحب (۲۲) ملک شیخین صابر صدر سنی کونسل (۲۳) مولانا محمد رشید نقشبندی (۲۴) سید مصطفیٰ اشرف رضوی ابنِ علامہ محمود احمد رضوی (۲۵) میاں محمد اسلم جان صاحب (۲۶) مولانا سلیم اللہ صاحب (۲۷) مولانا پیر ابرار محمد صاحب دارالحق، لاہور (۲۸) صاحبزادہ رفیق حسین صاحب قصورہ (۲۹) مولانا محمد شفیع صاحب اوکاڑوی (مرحوم) (۳۰) سید غضنفر علی شاہ صاحب دربارِ عالیہ حضرت کرمانوالہ اوکاڑہ (۳۱) پیر محمد اشرف خاں لاہور (۳۲) مولانا عبدالقدوس صاحب پشاور یونیورسٹی (۳۳) مولانا عبدالحکیم صاحب جامعہ فرقانیہ، راولپنڈی (۳۴) مفتی محمد حسین قادری سکھر (۳۵) مولانا مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی، سرائے عالمگیر (۳۶) صاحبزادہ ابرار احمد بگوی، بھیرہ (۳۷) پروفیسر سعید احمد اسعد فیصل آباد (۳۸) مفتی عبدالرحمٰن ساہیوال (۳۹) مولانا رحمت اللہ صاحب جھنگ (۴۰) پیر سید اکبر علی شاہ صاحب جھنگ (۴۱) سید نذر حسین شاہ صاحب، فیصل آباد (۴۲) مولانا غلام محی الدین شاہ صاحب راولپنڈی (۴۳) حافظ محمد اعظم نورانی صاحب (۴۴) مولانا ابو طاہر محمد نقشبندی، پاک پتن شریف (۴۵) قاضی محمد اسرار الحق صاحب راولپنڈی (۴۶) مولانا محمد صدیق صاحب عیسیٰ خیل (۴۷) ڈاکٹر امان اللہ خاں چیئرمین شعبۂ اسلامیات (۴۸) ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور (۴۹) میاں فضل حق صاحب صدر جماعت اہلِ حدیث (۵۰) ڈاکٹر اسرار احمد صاحب۔

نوٹ: علاوہ ازیں سو سے زیادہ اور اکابر علما کے اسما بھی اس فہرست میں موجود ہیں۔ ◻◻ (جاری)

# اھم خبریں

## بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کا سانحۂ ارتحال

''اہل سنت و جماعت کی نہایت علمی شخصیت بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور و جامعہ شمس العلوم گھوسی کا ۲۹ر نومبر ۲۰۱۲ء/۱۴ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ بروز جمعرات بوقت ساڑھے نو بجے شب وصال ہوگیا۔اِنَّالِلّٰہِ وَ اِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت بحرالعلوم کا وصال علمی دنیا کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے۔آپ کی عمر تقریباً ۸۰ سال تھی۔ پوری زندگی علم دین کی ترویج و اشاعت، فقہ و حدیث، تفسیر اور دیگر علوم وفنون کی خدمت میں گزاری۔ فقہ وفتاویٰ کے میدان میں ان کی منفرد اور امتیازی شناخت تھی۔ دارالافتا اشرفیہ مبارکپور کے آپ پہلے مفتی تھے۔آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ 'فتاویٰ بحرالعلوم' کی ۶ جلدیں آپ کے فقہی تبحر وبصیرت کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔حضرت علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی رفاقت و معیت میں آپ نے فاضل بریلوی کی شہرۂ آفاق کتاب 'فتاویٰ رضویہ' جلد سوم تا ہشتم کی سنی دارالاشاعت مبارکپور سے تدوین وترتیب فرما کر طباعت و اشاعت فرمائی۔ بلکہ علامہ عبدالرؤف بلیاوی کے وصال کے بعد بذات خود آپ نے فتاویٰ رضویہ کی چار جلدوں کی ترتیب وتدوین میں جانفشانی فرما کر اشاعت فرمائی۔ دیگر موضوعات پر بھی آپ کی قیمتی تصانیف ہیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ 'الشاہد' کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کے رسائل و جرائد میں آپ کے درجنوں علمی وتحقیقی مبسوط مقالات و مضامین شائع ہوئے جن کا مجموعہ بہت پہلے ''مضامین بحرالعلوم'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ تقریر وخطابت کے میدان میں بھی آپ ایک عرصے تک اسلامیانِ ہند کی ذوق کی تسکین کا سامان بنے رہے۔

جامعہ اشرفیہ مبارکپور اور پھر جامعہ شمس العلوم قصبہ گھوسی ضلع مئو اور دیگر مدارس میں تعلیم وتدریس کے ذریعے ہزاروں کی تعداد میں تلامذہ کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو آج مختلف میدانوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ان کی شش جہتی خدمات کے اعتراف میں مختلف اداروں اور انجمنوں کی جانب سے ایوارڈ اور اعزازات بھی ملے۔آپ علمی دنیا میں 'بحرالعلوم' کے امتیازی لقب سے ملقب تھے۔ان کے وصال پرملال سے جماعت اہل سنت کا عظیم علمی خسارہ ہوا ہے۔ بارگاہ رب کریم میں دعا ہے کہ مولا تعالیٰ حضرت بحرالعلوم کو غریقِ رحمت فرمائے اور ان کے درجات ومراتب میں بلندی عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔(آمین)''

ان خیالات وتاثرات کا اظہار مفسر قرآن حضرت مولانا سید ابوالحسن ازہری صاحب نے بذریعہ فون ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علیگ) سے کیا۔ حضرت بحرالعلوم کے وصال پر ادارہ ماہِ نور میں ایک خصوصی مجلس ایصال و ثواب کا اہتمام کیا گیا جس کے خصوصی شرکا میں ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علیگ)، مولانا ارشاد عالم نعمانی، مولانا جہانگیر حسن (مدیر ماہنامہ خضرِ راہ، دہلی) اور ضیاء الحق وحمران اعظمی قابل ذکر ہیں۔

## رامپور میں چار فرضی مزارات کے خلاف سخت احتجاج

ضلع رامپور، یوپی کے مِلَک بچولہ نام کے ایک گاؤں میں تقریباً چھ ماہ قبل ایک شخص نے اپنے کھیت میں خوابوں کی بنیاد پر چار محض بے اصل اور خالص فرضی قبریں بنالی تھیں اور انہیں مزارات کہنے لگا تھا، ابتدا میں فائدے کی دو چار افواہیں بھی اڑادیں، نتیجتاً مٹی کے ان چھوٹے ڈھیروں پر جاہل عوام کی وہ آمدورفت شروع ہوئی کہ خدا کی پناہ! جمعرات کو آنے والوں کی تعداد چھ سات ہزار تک پہنچ جاتی تھی، یہی حالت پیر کو رہتی، جب کہ دیگر دنوں میں بالخصوص عورتوں کی قطار چلتی رہتی، نینی تال قومی شاہراہ گاؤں سے گزر رہی ہے جس پر جمعرات اور پیر کو سخت ٹریفک جام لگنے لگا، قومی شاہراہ سے آدھا کلومیٹر گاؤں کی لمبائی ہے جس کے بعد ایک کلومیٹر جنگل کی طرف پاپلر (poplar) کے کھیت میں قبریں بنائی گئی ہیں، جمعرات اور پیر کو یہ پورا ڈیڑھ کلومیٹر کا راستہ پیدل اور دو پہیہ گاڑی کے لئے خاص رہتا، جو کھچا کھچ بھرا چلتا، سہ پہیہ اور چہار پہیہ گاڑیوں کو پہلے ہی روک لیا جاتا تھا، جمعرات اور پیر کو اس پورے راستے پر چادر، شیرینی، اگربتی، تیل اور پانی کی بوتلوں کی سیکڑوں سے زیادہ دکانیں دونوں طرف لگی رہتیں، جب کہ کرائے پر روزانہ کی تیسیوں مستقل دکانیں مزاروں کے قریب الگ چلتیں، دو بیگھے میں سائیکل اسٹینڈ بنایا گیا اور دس سے پچیس روپے تک کرایہ طے کیا، جس سے جمعرات کو بیس ہزار تک آمدنی ہوجاتی، جس کھیت میں قبریں ہیں وہ ساٹھ بیگھے پر مشتمل ہے اور پورے کھیت میں لکڑی کھڑی ہے، شہر رامپور کا اختر خاں اس کا مالک ہے، اسی نے مزار بنائے تھے، مگر اس نے انتظام اپنے ہاتھوں میں نہ لے کر چاروں قبروں کو بیس ہزار مہینے پر گاؤں کے تین لوگوں کے ہاتھوں ٹھیکے پر اٹھادیا، جنھوں نے قبروں سے زبردست منصوبہ بند تجارت شروع کردی، کچھ لوگ فائدے کی جھوٹی افواہیں اڑانے کے لیے کرائے پر رکھے جو دن بھر ادھر ادھر چل پھر کر اندھوں کے ٹھیک ہوجانے، پولیو زدہ کے خود چل کر گھر جانے اور کل

ملا کر ہر آنے والے کو ''بڑا فائدہ'' ہونے کی خبریں پھیلاتے، چند نوجوان لڑکیاں آسیب زدگی اور پیشی کا ڈھونگ کرنے اور قبروں کے قریب خوب چیخ و پکار مچانے کے لیے ہائر کیں، چار جاہل مزدور الگ الگ چاروں قبروں پر فاتحہ خوانی کے لئے بٹھائے جو ہر قبر کے پاس رکھی گولک میں آنے والوں سے زیادہ سے زیادہ روپے ڈلواتے، پانچ گولکیں رکھی گئیں، پچیس روپے میں عرضی نویس عرضی لکھتا اور اِن سب کی دوسو روپے دہاڑی طے کردی گئی، آمدنی سے انہیں کوئی مطلب نہیں تھا۔

ٹھیکے داروں کی ان سب کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبروں سے ڈیڑھ سے دو لاکھ روپے تک مہینے پر آمدنی ہونے لگی، ناچیز کو گولک نگراں ہندو برج لال نے بتایا کہ شام کو پیسے میرے ہی سامنے گنے جاتے ہیں، جمعرات اور پیر کو ہر گولک میں نو سے دس ہزار اور عام دنوں میں ڈیڑھ سے دو ہزار روپے نکلتے ہیں، اس نے کہا کہ ایک دن ایک شخص ایک گولک اٹھا کر لے بھاگا جس کے بعد دوسو روپے دن دہاڑی پر مجھے نگراں رکھا گیا ہے، مزاروں سے متصل گاؤں کے ہندوؤں کا شمشان گھاٹ ہے، سامنے ہی مردہ جلتا ہے، وہیں ایک تالاب ہے، ایک سمادھی بھی بنی ہے، گاؤں کے لوگوں نے بتایا کہ غالبًا ٹھیکے داروں کی طرف سے قبروں کے قریب پانچواں مزار بنانے کا بھی ڈھونگ رچا گیا، موٹر سائیکل سے ایک شخص آیا اور قبروں کے پاس دو چار لمبی لمبی سانسیں کھینچ کر بولا کہ پانچواں مزار یہاں ہے، منصوبہ پہلے سے طے تھا، چنانچہ قبروں کے پاس موجود مجاوروں نے ایک چادر وہاں ڈال دی، چراغ اور اگربتی بھی سلگادی، پھر اچانک ایک نوجوان لڑکی قبر کے پاس آئی اور اس نے وہاں پیشی لینی شروع کردی، مگر گھنٹے بھر میں یہ سارا ڈرامہ دیکھ کر مزاروں پر آئے کچھ لوگوں کو شک ہوا، نتیجتاً ڈھونگی کی جم کر دھنائی کردی گئی، یہ دیکھ کر لڑکی بھی پیشی چھوڑ کر کھیتوں کی طرف بھاگ چھٹی، چاروں قبروں کے پاس درختوں پر ہزاروں عرضیاں اور منتوں کے لال ہرے کپڑے بندھے ہوئے ہیں، چوں کہ ٹھیکے داروں نے اپنی شاطر دماغی سے مزاروں سے آمدنی بہت بڑھالی، جسے دیکھ کر زمین مالک کے منہ میں پانی آنے لگا اور اس نے کرایہ بڑھانے کی غرض سے دوبارہ نیلامی کی بات کہی اور نہ ماننے پر پولیس بازی بھی کی، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ٹھیکے داروں نے بیس ہزار بھی دینا بند کردیے، اب جب کہ زمین مالک نے دیکھا کہ ہر مہینے کے بیس ہزار بھی گئے اور مزار کے نام پر دو بیگھے زمین بھی، تو اس نے قبروں کو فرضی اور غلط کہنا شروع کردیا اور انہیں ختم کرنے پر آمدہ ہوگیا، مگر اب نہ ٹھیکے دار سننے کو تیار ہیں اور نہ مزاروں پر آنے والے جاہل عوام، اس نے شہر کے ایک معروف عالم دین اور مفتی سے بھی مدد مانگی اور اب تک وہ کئی ملاقاتیں کرچکا ہے، مگر ہمارے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دو مہینے سے حضرت یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ میں پہلے اعظم خاں سے بات کرلوں، ناچیز سے بھی براہ راست گفتگو میں سید صاحب نے تقریباً یہی بات کہی، انہوں نے یہ تو کہا کہ مزارات فرضی ہیں، مگر کہا کہ اب جو لوگ مزاروں سے پیسہ کمارہے ہیں وہ پرانے قاتل قسم کے لوگ ہیں، انہیں براہ راست چھیڑنا آسان نہیں، ہم اُنہیں اوپر سے کنٹرول کریں گے۔ غرض مزاروں کے نام پر یہ بدعت حرام اور سراسر مشرکانہ ڈھکوسلا ضلع کے بلا امتیاز تمام بڑے مفتیوں اور قاضیوں کی ناک کے نیچے تقریباً ساڑھے چار پانچ ماہ تک زور و شور سے چلتا رہا، نہ کسی طرف سے کوئی مخالفت، نہ فتوی، نہ تقریر، پبلک گمراہ ہوتی رہی، لٹتی رہی اور دین و مسلک فروشی چلتی رہی، جب کہ اس کے خلاف شروع ہی میں کسی بڑے عالم کی طرف سے ذرا مخالفت ہو جاتی، تو یہ فتنہ فوراً دفن ہوجاتا اور پورا ایک کمبھ کا میلہ نہ بنتا۔

بہرحال ایک ماہ کے شدید اضطراب کے بعد اللہ کا نام لے کر میں نے ایک سخت مضمون فرضی مزاروں کے خلاف لکھا، جسے یوپی اور دہلی کے مختلف اردو اخباروں کو بھیجا، بشکل پوسٹر اور پمفلٹ اردو اور ہندی میں شائع کیا اور اُسے شہر و دیہات کی مسجدوں میں چسپاں کیا، بریلی اور رامپور کے علما سے فتوے لکھوا کر انہیں مختلف اخبارات کو ارسال کیا، پوسٹر کی شکل میں چھپوایا، مسجدوں میں ائمہ سے کہہ کہہ کر تقریریں کروائیں اور ان کی خبریں اخبارات کو دیں، بعد میں گاؤں کے پردھان اور کچھ دیگر لوگ حمایت اور رابطے میں آئے تو انہیں لے کر ہم نوجوان علما، ائمہ، حفاظ نے چونتیس پینتیس افراد کی تعداد بنا کر ایک پرامن احتجاج کے بعد ضلع ڈی ایم کو میمورنڈم دیا، پھر زمین مالک بھی رابطے میں آیا جو خود بھی فرضی مزاروں سے پریشان چل رہا تھا، چنانچہ اپنے اس فعل قبیح پر شہر کسی معروف عالم دین کی موجودگی میں توبہ کرنے کے لیے تیار بھی ہوگیا، لیکن شہر کے ایک معروف عالم دین سے ہر چند رابطہ کے بعد بھی ہماری یہ کوشش ان کی عدم بے توجہی کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی۔

بہرحال اب ہم نے مزید کوشش کے طور پر فرضی مزاروں سے جڑے لوگوں کے لیے ایک خالص دینی اپیل بشکل پوسٹر جاری کردی ہے، خدا کرے وہ لوگ تائب ہوجائیں۔ اس مہم میں شہر کے نوجوان علما، ائمہ، حفاظ نے بڑا ساتھ دیا، میں یہاں مولانا مزمل حسین رضوی فاضل الجامعۃ الاسلامیہ رامپور کا نام کی صراحت کے ساتھ شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فرضی مزاروں کے خلاف ہمارے احتجاج کرنے کی وجہ سے فرضی مزاروں پر آنے والوں کی تعداد میں اسی فیصد کمی آگئی ہے، دو ٹھیکے دار بھی ٹوٹ گئے ہیں اور صرف ایک حسین ولد چھوٹے بچا ہے، شہر و دیہات میں مذکورہ مزارات کا جھوٹا ہونا بھی خوب مشتہر کردیا ہے، ملک بجولہ گاؤں کے لوگ بھی تقریباً سب مخالف ہیں، اب ضرورت ہے کہ شہر کا کوئی بڑا عالم احتیاطاً ضلع انتظامیہ سے ہلکی پھلکی سیکورٹی لے کر وہاں جائے اور گاؤں والوں سے مزاروں کے محض فرضی اور غلط ہونے کی برائے نام شہادت لے کر خود اُنہیں کے ہاتھوں سے انہیں کھدوا کر پھکوادے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ چراغ تلے کا یہ اندھیرا کب اور کس طرح دور ہو پاتا ہے۔

(محمد ناصر رامپوری، مجلس فکر اسلامی، بریلی گیٹ، رامپور)